عمران سیریز
41
ابنِ صفی
بے آواز سیارہ
IMRAN SERIES
X 2
CK PRODUCTIONS QUETTA

عمران سیریز نمبر 41

بے آواز سیارہ

دوسرا حصہ

O

صفدر کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا کہ اس دوران میں کیا کچھ ہو چکا ہے۔ اس لیے وہ کبڑے کو سارے شہر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

عمران کے متعلق بھی اسے کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ عمران کی ٹیم میں شاید صفدر اور جوزف ہی ایسے تھے جنہیں اب بھی یقین تھا کہ اس کی یادداشت واپس نہیں آ سکی۔ ان کی اس لاعلمی کی وجہ یہی تھی کہ عمران اپنی کسی نئی اسکیم کے تحت انہیں "بے خبر" ہی رکھنا چاہتا تھا۔

رحمان صاحب نے گھر والوں کو سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ عمران کی صحیح الدماغی کی "خوشخبری" کسی کو بھی نہ دیں.... وہ اب بھی ان کی کوٹھی کے اسی کمرے میں مقید تھا۔

کیپٹن فیاض کو اب بھی مارتھا کے قاتل کی تلاش تھی.... اور وہ خوفناک چہرے والا اسے اکثر خواب میں بھی نظر آتا تھا جس سے ایک بار شہر کی ایک سنسان سڑک پر مڈ بھیڑ ہوئی تھی۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے محکمے کے ڈائریکٹر جنرل پر کیا کچھ گذر چکی ہے.... اور وہ تو اس کبڑے کے وجود سے بھی لاعلم تھا جسے ان دنوں سنٹرل جیل کی ایک کوٹھری میں رکھ کر زبان کھولنے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ پھر ان قیدیوں کے بارے میں وہ کیا جان سکتا جو ڈائریکٹر جنرل کے ساتھ ایک بہت بڑا فراڈ کرنے والے تھے۔ ان قیدیوں کی تو کسی کو ہوا بھی نہیں لگ سکتی تھی اور وہ براہ راست چند مخصوص آفیسروں کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔

صفدر آج بھی چنگ شی کے چانڈو خانے کے چکر کاٹ رہا تھا۔ اس توقع پر کہ شاید وہیں کبڑے سے ملاقات ہو جائے۔ اسے یقین تھا کہ ایک بار چنگ شی اور کبڑے کے درمیان

جو جھڑپ ہوئی تھی۔ وہ سو فیصدی اداکاری تھی۔ دونوں کے درمیان کسی قسم کا خاص تعلق ضرور موجود تھا۔ صفدر نے اسے محض ایک معمولی گاہک کبھی نہیں سمجھا تھا۔

ادھر چند دنوں سے چلبلی فطرت رکھنے والی چنگ شی کچھ بجھی بجھی سی دکھائی دے رہی تھی۔ صفدر نے کئی بار افسردگی کی وجہ معلوم کرنی چاہی لیکن چنگ شی کا جواب صرف ایک مضمحل سی مسکراہٹ ہوتی۔

آج صفدر نے سوچا تھا کہ وہ اس کبڑے کے متعلق ضرور پوچھے گا۔

چنگ شی نے اس طرح پلکیں جھپکائی تھیں جیسے حافظے پر زور دینے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر بولی۔ "اچھا وہ سوّر.... میں نہیں جانتی کہ وہ ادھر کچھ دنوں سے دکھائی کیوں نہیں دیا۔"

"میں اس کے لیے متفکر ہوں۔" صفدر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیوں؟ ارے تم اس کے لیے متفکر ہو؟" چنگ کا لہجہ متحیرانہ تھا۔

"ہاں! مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ اس رات والے جھگڑے کے بعد سے ہم گہرے دوست بن گئے تھے۔ ارے چنگ سوئیٹ.... وہ تو فلاسفر ہے فلاسفر.... بڑا گریٹ آدمی ہے اور سنو۔ اچھا ٹھہرو.... مجھے اس کا نام تو بتاؤ۔"

"نام" چنگ شی ہنس پڑی۔ "اس نے مجھے آج تک اپنا نام نہیں بتایا۔ کہتا ہے جو چاہے کہہ لو.... پاگل کتے کے نام سے بھی پکار سکتی ہو!"

"وہ خاموش ہو کر پھر ہنسی اور بولی۔ "میں تو اسے "ہنچ بیک آف ٹمبکٹو" کہتی ہوں۔"

"'ہنچ بیک آف ناترے ڈیم' پڑھی ہے تم نے....؟"

"اوہ سوئیٹ!" وہ مٹھیاں بھینچ اور آنکھیں میچ کر بولی۔ "کئی بار.... اوہ بہت حسین.... ہائے کیا چیز ہے.... سنو! مجھے اس کے بہتیرے مکالمے زبانی یاد ہیں۔"

"اس نے مجھے اپنا نام ہمبگ دی گریٹ بتایا تھا۔" صفدر نے ٹھنڈی سانس لی۔

چنگ اسے پر تشویش نظروں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ دیکھو! تم اس کے چکر میں نہ پڑنا مجھے تو وہ کوئی بہت پراسرار اور خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ میں یہی نہیں سمجھ سکتی کہ وہ یہاں آتا ہی کیوں ہے جب کہ کسی قسم کے نشے کا شائق بھی نہیں ہے۔"

"واقعی!" صفدر کے لہجے میں سوالیہ استعجاب تھا۔

"یقین کرو....."

"تب تو واقعی سوچنا پڑے گا۔" صفدر جلدی سے بولا۔ "چنگ کہیں وہ کوئی سرکاری آدمی تو نہیں ہے؟"

"ہوا کرے۔" چنگ نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "میرا بزنس صاف ہے۔"

"بزنس کو چھوڑو۔ یہاں ہر طرح کے آدمی آتے ہوں گے۔"

"ہاں۔" وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "ممکن ہے۔ مگر مجھے کیا۔ کسی کی پیشانی پر تو تحریر نہیں ہوتا کہ وہ کیسا آدمی ہے۔ یہاں خونی بھی آتے ہوں گے۔ پھر مجھ پر تو اس کی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔"

"ایسا حیرت انگیز آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا.....!"

"کیوں کیا تم اس کے متعلق کچھ اور بھی جانتے ہو؟"

"کاش کچھ اور بھی معلوم ہو سکا ہوتا....."

"اوہو۔ تم تو ایسی باتیں کر رہے ہو جیسے واقعی اس کے متعلق بہت کچھ معلوم کر چکے ہو۔"

"نہیں ابھی تک کچھ نہیں معلوم کر سکا لیکن معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"میں اچھا آدمی نہیں ہوں اس لیے مجھے الجھن ہو جاتی ہے اگر کوئی خواہ مخواہ میری طرف متوجہ ہوتا ہے۔"

"تو کیا سب سے پہلے اس نے ہی تم میں دلچسپی لی تھی؟"

"یقیناً۔ وہ رات یاد کرو۔ جب تمہارے بیڈ روم میں بات بڑھ گئی تھی۔"

"مجھے یاد ہے۔" چنگ شی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

"وہ کیوں گھس آیا تھا؟"

"اف۔ فوہ! یہی تو میں آج تک سوچتی ہوں۔ اس سے پہلے کبھی کسی نے میری اجازت کے بغیر خواب گاہ میں گھسنے کی ہمت نہیں کی تھی۔"

"اسی لیے مجھے اس کے متعلق بہت کچھ سوچنا پڑا ہے۔"

"کیا سوچنا پڑا ہے.....؟"

"یہی کہ وہ میرے متعلق معلومات فراہم کرنا چاہتا ہے۔"

"سی۔ آئی۔ ڈی.....والا۔"

"پھر کون ہوگا؟" صفدر جھلا گیا۔

"تم خائف ہو؟"

"کیوں نہ ہوں۔ جب کہ پولیس کے پاس میرا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔"

"ارے تو کیا سچ مچ تم برے آدمی ہو؟"

"ہاں۔ اے اچھی عورت۔" صفدر کے لہجے میں تمسخر تھا۔

"تو یہاں کیوں مرنے آتے ہو؟ جاؤ نکلو۔" نہ جانے کیوں وہ یک بیک بپھر گئی۔ "دفع ہو جاؤ۔ ورنہ میں پولیس کو فون کردوں گی۔"

صفدر نے اسے خونخوار انداز میں گھورا۔ پھر اٹھا۔ سر پر فلٹ ہیٹ جمائی اور اسے تیکھی نظروں سے دیکھتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

O

ہمبگ دی گریٹ نئے جہانوں کی سیر کر رہا تھا۔ یعنی ٹانگیں اوپر تھیں اور کھوپڑی نیچے۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی مردہ کچھوے کو الٹا لٹکا دیا گیا ہو۔ اس طرح الٹے لٹکے ہوئے اس نے دس گھنٹے بخیر و عافیت گذار دیئے تھے۔

اگر پلکیں نہ جھپک رہی ہوتیں تو شاید اس پر کسی لاش ہی کا دھوکا ہوتا۔ چہرہ سپاٹ تھا۔ جذبات سے عاری۔ کرب کے آثار تو چہرے پر اس وقت بھی نہیں نظر آئے تھے۔ جب اس پر بیدوں کی بارش ہوئی تھی اور مرمت کرنے والوں کو الگ جا کر آپس میں کھسر پھسر کرنی پڑی تھی۔ "یار یہ تو بالکل ایسا ہی لگتا ہے جیسے ہم کسی ربڑ کے مجسمے پر اپنی قوت ضائع کر رہے ہوں۔"

وہ دونوں آفیسر جو اس سے حقیقت اگلوانے پر مامور کیے گئے تھے کچھ دیر بعد بری طرح نروس نظر آنے لگے۔

دفعتاً کبڑے نے چبھتے ہوئے مگر پر سکون لہجے میں کہا۔ "اب آخری تدبیر مجھ سے سنو میری کھوپڑی کے نیچے آگ روشن کرو اور اس پر تیل سے بھری ہوئی ایک کڑھائی رکھ دو پھر میری کھوپڑی میں اتنا بڑا سوراخ کرو کہ مغز بوندوں کی شکل میں ٹپکنے لگے۔ بس یہی ایک طریقہ ہے جسے

اختیار کرنے کے بعد تم مجھ سے ایک بڑے راز کی بات معلوم کر سکو گے۔"

"اے کیوں زچ کر رہا ہے کچھوے کی اولاد۔" ایک آفیسر نے بے بسی سے ہنس کر کہا۔

"اچھا تو قریب آؤ۔ میں تمہیں بتا ہی دوں۔"

آفیسر بڑی سنجیدگی سے اس کے قریب آکر جھکا۔

"بتا ہی دوں؟" کبڑے نے آہستہ سے پوچھا۔

"ضرور۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں انعام بھی دلوائیں گے۔" آفیسر نے بڑے خلوص سے کہا۔

"اچھا تو سنو! میں اس کوبڑ سمیت پیدا ہوا تھا۔"

"کیا بات ہوئی.... !"

"ارے واہ.... کچھ بات ہی نہ ہوئی۔ میری ماں مجھے جنم دیتے ہی مر گئی ہوگی۔"

"کیا بک رہے ہو؟"

ہمبگ دی گریٹ نے قہقہہ لگایا۔ بے تحاشہ ہنستا رہا۔ "مجھے بڑی لذت محسوس ہوتی ہے جب سوچتا ہوں کہ میری ماں اس طرح مر گئی ہوگی۔"

آفیسر نے جھلا کر دونوں ہاتھ اس کے منہ پر مارے۔ لیکن وہ اسی طرح ہنستا رہا۔

پھر آفیسر وہاں سے ہٹ کر دوسرے کمرے میں آیا اور فون پر ڈائریکٹر جنرل صاحب کے نمبر ڈائیل کیے....!

"ہیلو!" دوسری طرف رحمان صاحب ہی تھے۔

"قریشی.... سر....!"

"ہاں.... کیا رہا....!"

"اذیت رسانی کی بھی حد ہو چکی ہے جناب۔" آفیسر نے کہا۔ "میری دانست میں وہ صحیح الدماغ نہیں ہے۔ ہم ان دونوں کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں معلوم کر سکے کہ وہ ایک کالے آدمی کی مدد سے وقتاً فوقتاً اس کے مکان کو استعمال کرتے رہتے تھے۔"

"وقتاً فوقتاً....؟"

"جی ہاں۔ کالا آدمی تو اسے بہت دنوں سے پریشان کرتا رہا ہے۔ لیکن ان دونوں غیر ملکیوں

نے تھوڑے ہی دنوں سے وہاں اپنی حرکتیں شروع کی تھیں۔ جب وہ پہلی بار آئے تھے تو کالا آدمی بھی ان کے ساتھ تھا اور اس نے کبڑے کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے انہیں وقتاً فوقتاً اپنا مکان نہ استعمال کرنے دیا تو وہ اسے مار ڈالیں گے۔"

"وہ کن اوقات میں اور کس سلسلے میں اس کا مکان استعمال کرتے تھے؟"

"دو یا ڈھائی بجے رات کو وہ دونوں وہاں پہنچتے تھے اور ایک عجیب قسم کی مشین پر کسی کو پیغامات بھیجتے تھے اور اسی مشین پر کسی نامعلوم جگہ سے پیغامات وصول کرتے تھے۔"

"مشین کی ساخت....؟"

"غالباً مشین سے اس کی مراد ٹرانسمیٹر ہے۔ کیونکہ میں نے بھی ساخت کے متعلق استفسار کیا تھا۔ جواب میں اس نے جو کچھ بتایا اس سے ٹرانسمیٹر ہی....!"

"خیر۔ اس کالے آدمی کا حلیہ بتاؤ۔"

"لاکھوں میں پہچانا جاسکے گا۔ اگر اس نے حلیہ صحیح بتایا ہے۔ کہتا ہے اس کا چہرہ پیشانی سے ناک کی نوک تک دو حصوں میں منقسم معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا؟"

"مجھے یقین نہیں آیا جناب! اس کے بیان کے مطابق وہ شاید تلوار یا تبر کے زخم کا نشان ہے۔"

"اچھا ٹھہرو! اب اسے اذیت نہ دو۔ دوسرے احکامات کا انتظار کرو۔"

سلسلہ منقطع ہو گیا۔ آفیسر نے طویل سانس لی اور ریسیور کریڈل میں رکھ دیا....!

O

کیپٹن فیاض بے خبر سو رہا تھا۔ پھر یک بیک.... آنکھ کیسے کھلی تھی؟ کیا وہ آواز تھی کسی قسم کی۔ اپنی خواب گاہ میں تنہا سوتا تھا۔ لیکن دروازے کی ایک کنجی بیگم فیاض کے پاس بھی رہتی تھی اور دروازہ اندر سے مقفل کیے جانے پر باہر سے بھی کھولا جا سکتا تھا۔

فیاض نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑیں کیونکہ اب وہ قدموں کی آواز بھی سن رہا تھا۔

دروازہ مقفل کر کے سویا تھا۔ اس لیے صرف برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ بیوی کی یہ حرکت اسے بے حد گراں گزرتی تھی۔ اکثر کہہ بھی دیتا۔ "بھئی اگر تم پر اختلاج قلب کے دورے پڑتے ہیں تو

مجھے بے خوابی میں نہ مبتلا کیا کرو۔"

وہ اکثر سوتے سوتے جاگتی اور کسی الجھن میں مبتلا ہونے کے بعد فیاض کی خواب گاہ ہی کا رخ کرتی خواہ رات کے دو بجے ہوتے۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی خواب گاہ کی ایک کنجی اپنے پاس رکھتی تھی....!

"چٹ....!" کمرہ روشن ہو گیا.... لیکن فیاض اس طرح اچھلا تھا جیسے کسی نے پلنگ کے نیچے سے ٹھوکر ماری ہو۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہاتھ پیروں میں جان ہی نہ رہی ہو۔

"کپتان صاحب! بیٹھے رہیئے خاموشی سے...." کمرے میں تیز قسم کی سرگوشی گونجی۔

فیاض اس کے خلاف کیسے کرتا جب کہ ریوالور کی نال اسی کی طرف اٹھی ہوئی تھی....اور ریوالور بھی ایک ایسے آدمی کے ہاتھ میں.... جس کا چہرہ.... دو حصوں میں منقسم تھا....ایک بھیانک رات کا تصور فیاض کے ذہن میں رینگنے لگا۔

خوفناک آدمی نے ٹھوکر سے ایک کرسی کھسکائی اور ریوالور کا رخ فیاض ہی کی طرف کئے ہوئے بیٹھ گیا....!

فیاض پلکیں جھپکائے بغیر اسے گھورے جا رہا تھا....دفعتاً خوفناک آدمی کے ہونٹ پھیل گئے! پتہ نہیں یہ مسکراہٹ تھی یا عادتاً ہونٹوں میں صرف کھنچاؤ پیدا ہوا تھا؟ فیاض اس کی آنکھوں میں اس قسم کی کوئی تبدیلی نہ دیکھ سکا کہ جسے جذباتی تغیر کا نتیجہ کہا جا سکتا۔

"میرا نام.... نرودا ہے کیپٹن.... پٹلو نرودا.... او پیلو نرودا نہ سمجھ بیٹھنا۔ میں نے آج تک ایک مصرعہ بھی نہیں کہا۔" خوفناک آدمی بولا۔

دفعتاً فیاض نے سنبھالا لیا اور آواز غصیلی بنا کر بولا۔ "کیا میں اس طرح آنے کا مقصد پوچھ سکتا ہوں؟"

"آج میں گرفتار ہونے آیا ہوں کیپٹن!"

"بھاگ جاؤ۔ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔" فیاض نے آنکھیں نکالیں۔

"معلوم ہے۔" خوفناک آدمی کا لہجہ طنزیہ تھا۔ "آپ لوگ بہت ذہین ہیں۔ اتنا بھی نہ ہو سکا اس کبڑے کی اصلیت ہی معلوم کر لی جاتی۔"

"کیا مطلب؟ کیسا کبڑا....؟ میں سمجھا نہیں۔!"

"وہی کبڑا جو سنٹرل جیل کی ایک تاریک کوٹھری میں الٹا لٹکا ہوا تھا۔"

"تم پتہ نہیں کہاں کی اڑا رہے ہو۔"

"اوہ.... تو کیا آپ نہیں جانتے؟ مجھے حیرت ہے۔"

"میرا وقت نہ برباد کرو۔" فیاض نے برا سا منہ بنایا۔

"سمجھا!" خوفناک آدمی نے متفکرانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "آپ شاید لاعلم ہیں ممکن ہے آپ کے ملک میں سپرنٹنڈنٹ کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو۔ ہاں ٹھیک ہے اسی لیے تو ڈائریکٹر جنرل بھاگے بھاگے پھرا کرتے ہیں۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھا دوست!" دفعتاً فیاض کا لہجہ بے حد نرم ہو گیا۔

انہوں نے ایک کبڑے کو پکڑوا کر کئی دنوں تک الٹا لٹکائے رکھا۔ ایذا رسانی کی حد کر دی لیکن اس سے اعتراف جرم نہ کرا سکے۔ پھر آخر کار اسے چھوڑ ہی دینا پڑا۔"

"تب پھر تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ اس پر الزام کیا تھا؟"

"جانتا ہوں۔ ڈائریکٹر جنرل کا خیال تھا کہ وہ کسی تخریب پسند مملکت کا ایجنٹ ہے۔"

یک بیک فیاض نے اس پر چھلانگ لگائی۔ لیکن خوفناک اجنبی غافل تو نہیں تھا۔ فیاض کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔ پٹلو نرودا دور کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کیپٹن پلیز۔" ریوالور کی نال پھر سیدھی ہو گئی۔

فیاض اٹھا اور دروازے کی طرف دیکھنے لگا جس پر سیاہ پردہ کھینچ دیا گیا تھا۔

"نو.... نو.... مائی ڈیئر۔" پٹلو نرودا سر ہلا کر بولا۔ "ہاں ٹھیک ہے! کرسی سمیت فرش پر ڈھیر ہونے کی آواز دور تک پھیلی ہو گی لیکن.. کوئی یہاں تک آنے کی زحمت نہیں گوارہ کرے گا۔"

"کیوں؟" فیاض جو غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا دہاڑا۔

"وہ احمقوں کی طرح کچی نیند نہیں سوتے۔"

فیاض یک بیک پھر نرم پڑ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"غالباً ذہین کیپٹن کی سمجھ میں پوری بات آ گئی ہے۔" پٹلو نرودا بھی جواباً مسکرایا۔

"میں سنتھیلک گیس کی ہلکی سی بو محسوس کر رہا ہوں۔"

"لیکن یہاں اس کمرے میں یہ اتنی ناکافی ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی بے ہوش نہیں ہو

سکتا۔" پٹلو نرودا نے کہا۔

"تم حد سے بڑھتے جارہے ہو۔"

"بیٹھ جائیے کیپٹن! محکمہ سراغرسانی میں آپ سے زیادہ ذہین اور پھرتیلا آفیسر یہاں اور کوئی نہیں۔ میں دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔"

"اور تم اس لڑکی کے قاتل بھی ہو۔ کیوں؟"

"وہم ہے آپ کا لیکن میں قاتل کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ آپ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ وہ لڑکی رقابت یا جوش انتقام کا شکار ہوئی تھی۔ بالکل غلط خیال ہے۔"

"پھر....!"

"وہی کبڑا اس قتل کا ذمہ دار ہے لیکن آپ کے فرشتے بھی اسے کسی عدالت میں نہ پیش کر سکیں گے۔"

"کیا اس کبڑے سے تمہارا جھگڑا ہے؟"

"ہاں۔ اور آپ کے محکمے سے بھی.... ذرا 1920ء کا گرین فائیل ریکارڈ روم سے نکلوا کر ملاحظہ فرمالیجئے گا....!"

"تم اس کبڑے کے سلسلے میں ہماری مدد کرنا چاہتے ہو۔"

"چلئے بات سمجھ میں تو آئی۔" پٹلو نرودا نے قہقہہ لگایا۔

"میں ایسے لوگوں کی قدر کرتا ہوں۔"

"لیکن موقع مل جائے تو چھوڑتا بھی نہیں۔ کیوں؟" پٹلو پھر ہنس پڑا۔

"پکی بات ہے۔ محتاط رہنا۔" فیاض خوش دلی سے مسکرایا۔

پٹلو نرودا بھی ہنسا تھا پھر یک بیک اس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی کے آثار نظر آئے تھے۔

"ڈائریکٹر جنرل کے لڑکے کا پاگل پن۔" فیاض کچھ کہتے کہتے رک گیا اور نرودا متحیرانہ انداز میں چونک پڑا۔

"کمال ہے۔" وہ فیاض کی آنکھوں میں گھورتا ہوا بولا۔ "بھلا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں اس وقت اسی کے متعلق گفتگو کرنے آیا ہوں۔"

فیاض نے فخریہ انداز میں شانوں کو جنبش دی اور چہرے پر اکتاہٹ کے آثار پیدا کر کے

بڑبڑایا۔ "پانچ گھنٹوں کی نیند بھی میرے مقدر میں نہیں۔"

"مجھے صرف اتنا ہی معلوم کرنا ہے کہ ڈاکٹر داور کی لیبارٹری سے اس کا کیا تعلق ہے؟"

"کس کا تعلق؟" فیاض کو پھر چونکنا پڑا۔

"شاید آپ کو ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔" فیاض بولا۔ "اگر...."

"ٹھہریئے۔ میرا خیال ہے کہ ڈائریکٹر جنرل کے لڑکے نے کبھی کسی معاملے میں ڈاکٹر داور کی مدد بھی کی تھی۔"

"ممکن ہے۔ میں نہیں جانتا۔"

"کسی طرح اس تک یہ خبر پہنچا دیجئے کہ ڈاکٹر داور پھر خطرے میں ہے۔"

"تم آخر آئے کیوں ہو؟" فیاض کا پارہ پھر چڑھ گیا۔

"میں یہ بتانے آیا ہوں کہ تم بھی خطرے میں ہو۔ تمہارا ملک خطرے میں ہے کبڑا ایسی حرکتیں کر رہا ہے جن کی بنا پر دنیا تیسری جنگ عظیم کی لپیٹ میں آسکتی ہے۔"

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی.... اور فیاض نے میز کی طرف بڑھنا چاہا۔

"ٹھہریئے!" نرودا آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ریوالور کا رخ اب بھی فیاض ہی کی طرف تھا۔

نرودا نے ریسیور اٹھایا۔ کال ریسیو کی اور برا سا منہ بنائے فیاض کی طرف مڑا۔

"کوئی محترمہ ہیں۔ سنبھالئے لیکن یہ نہ بھولئے گا کہ میرے ہاتھ میں خالی ریوالور نہیں ہے۔"

فیاض نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو کیپٹن.... میں شمی بول رہی ہوں...."

"میں نہیں پہچان سکا محترمہ" فیاض نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ڈ۔ ڈاکٹر داور میرے ڈیڈی ہیں...."

"اوہ سمجھ گیا.... فرمایئے!"

"فوراً آیئے تجربہ گاہ کی طرف.... میں گھر میں تنہا ہوں.... ڈیڈی نے ابھی مجھے تجربہ گاہ ے فون پر اطلاع دی ہے کہ میں ڈائریکٹری میں آپ کے نمبر دیکھ کر آپ کو رنگ کروں۔ وہ رے میں ہیں۔"

"لیکن کیا وہ تجربہ گاہ ہی سے براہ راست رنگ نہیں کر سکتے تھے...؟"

"انہیں آپ کے نمبر یاد نہیں تھے شاید.... اور شاید ان کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ وہ خود ہی ڈائریکٹری میں آپ کے نمبر تلاش کر سکتے۔"

"تو میں کہاں پہنچوں؟"

"تجربہ گاہ میں.... جلدی کیجئے۔ مین رحمان چچا کو بھی فون کر رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ فیاض ریسیور رکھ کر مڑا۔

لیکن اس طرح اچھل پڑا جیسے کسی نے سر پر لٹھ رسید کر دیا ہو۔ کمرہ خالی۔ بوکھلا کر باہر نکلا.... سارا گھر چھان مارا لیکن پٹلو نرودا کا کہیں پتہ نہ تھا۔

O

فیاض اور رحمان صاحب کی گاڑیاں لیبارٹری کے پھاٹک پر ساتھ ہی پہنچیں۔ چوکیدار جاگ رہا تھا۔ رحمان صاحب کو غالباً پہچانتا بھی تھا اس لیے پھاٹک کھلوانے کے سلسلے میں انہیں رسم کاروائیوں سے نہیں گذرنا پڑا۔ رحمان صاحب نے چوکیدار سے کچھ سوالات کیے تھے اندازہ نہ کر سکے کہ چوکیدار اندر کے حالات سے باخبر ہوگا۔

"تم کیسے آئے؟" رحمان صاحب نے پھاٹک سے گذر کر عمارت کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"صاحبزادی نے مجھے فون پر اطلاع دی تھی کہ ڈاکٹر داور خطرے میں ہیں۔"

"مسلح ہو یا نہیں۔"

"جی ہاں....!"

وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ تجربہ گاہ کی عمارت پھاٹک سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاص پر تھی۔ عمارت تاریک پڑی تھیں کہیں بھی روشنی نہ دکھائی دی۔ وہ وزیٹرس روم کی طرف بڑھے اور سوئچ بورڈ پر کال بیل کا بٹن دبایا۔ بار بار یہی کرتے رہے لیکن اندر سے جواب نہ ملا۔

پھر کیپٹن فیاض نے دروازے پر قوت صرف کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ رحمان صاحب اس شانہ چھو کر بولے۔ "ٹھہرو" چند لمحے کچھ سوچتے رہے پھر کہا۔ "تم نے غلطی کی۔ اکیلے چلے آ۔ کچھ آدمیوں کو ساتھ لانا تھا۔ جب لڑکی نے تمہیں...."

"میرے ساتھ پانچ انسپکٹر ہیں۔"

"گڈ....! تو پھر انہیں بلاؤ۔"

فیاض نے سیٹی نکالی اور اسے ہونٹوں کی طرف بڑھا ہی رہا تھا کہ رحمان صاحب کی نظر پڑ گئی۔ جھنجھلا کر بولے۔ "عجیب آدمی ہو۔ عقل استعمال کیا کرو۔ خود جاؤ باہر.... خاموشی سے لاؤ۔"

فیاض بوکھلائے ہوئے انداز میں پھاٹک کی طرف دوڑ گیا۔

رحمان صاحب بھی کھلے میں نکل آئے تھے۔ انہوں نے آس پاس کی کھڑکیوں اور دروازوں پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور پھر ایک جانب ان کے قدم تیزی سے اٹھ گئے۔

کھڑکی جس میں سلاخیں نہیں تھی کھلی ہوئی نظر آئی۔ لیکن اندر تاریکی تھی۔ رحمان صاحب نے ایک کنکری اٹھا کر اندر پھینکی اور تیزی سے بائیں جانب ہٹ کر دیوار سے جا لگے۔ لیکن اندر کے سناٹے میں کنکری گرنے کی آواز کے علاوہ اور کسی قسم کا تغیر نہ ہوا۔

اتنے میں پھاٹک کی جانب سے قدموں کی آوازیں آئیں۔ غالباً یہ فیاض کے ماتحت ہی تھے۔ رحمان صاحب نے ٹارچ کا رخ پھاٹک کی طرف کر کے روشنی کے سگنل دیئے اور وہ لوگ ادھر ہی چلے آئے۔ کچھ دیر بعد وہ ایک ایک کر کے کھڑکی سے گذر رہے تھے۔

رحمان صاحب نے سب سے پہلے اس حصے کا رخ کیا جہاں ڈاکٹر داور لیبارٹری ہی میں رات دن گذارنے کی صورت میں آرام کیا کرتے تھے۔ کمرہ خالی تھا۔ لیکن یہاں انہیں غیر معمولی حالات نہ دکھائی دیئے۔ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی بستر بے شکن تھا۔ شاید کوئی اس پر بیٹھا بھی نہ ہوگا۔

پھر تین ملازمین ایک جگہ بے ہوش پڑے ملے۔ لیکن ان کے جسموں پر ضربات کے نشانات نہیں تھے۔

"غالباً کوئی نشہ آور چیز۔" رحمان صاحب ان کا جائزہ لیتے ہوئے بڑبڑائے اور فیاض کی طرف مڑ کر بولے۔ "اب تم لوگ لڑکی کی خبر لو۔ اس کے بعد یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک آدمی لڑکی کے پاس رک جائے۔ فیاض تم ہی رکنا۔ بقیہ لوگ جا سکتے ہیں۔"

فیاض کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آئے۔ لیکن یہ بھی نہ کہہ سکا کہ وہ رحمان صاحب کو وہاں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد رحمان صاحب پھر ڈاکٹر داور کی خوابگاہ کی طرف واپس آ رہے تھے۔ بے ہوش آدمی جوں کے توں پڑے رہے۔

اس بار انہیں خوابگاہ کا دروازہ بند نظر آیا۔ واپسی کا مقصد یہ تھا کہ وہ خوابگاہ سے گھر فون کریں۔

گے۔ کوشش کریں گے کہ عمران تک ایک پیغام پہنچ جائے۔ جو ان کی دانست میں اس وقت تک اپنے کمرے میں خراٹے لے رہا ہو گا۔ وہ خیالات میں الجھے ہوئے یہاں تک آئے تھے۔ بند دروازے کو دھکا دیا اور پھر بے ساختہ اچھل پڑے کیونکہ کمرہ خالی نہیں تھا۔

"عمران....!"

پھر ان کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ انہوں نے سوچا جب کمبخت کو اس کا بھی علم تھا تو اب تک خاموش کیوں رہا تھا۔

"کیوں؟" وہ غرائے۔

عمران اس وقت ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ڈاکٹر داور سے زیادہ ضدی آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔"

"کیوں؟"

"خطرہ محسوس کرنے کی وجہ بھی آپ لوگوں کو بتائی جا سکتی تھی۔"

رحمان صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے پھر عمران کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "ممکن ہے اس کی مہلت ہی نہ مل سکی ہو۔"

"تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کوئی ناگہانی حادثہ ہے۔"

"کیوں؟"

"اگر ڈاکٹر داور نے اچانک غیر متوقع طور پر اپنے لیے کوئی خطرہ محسوس کیا تھا تو وہ ہی اس کا مقابلہ کرتے۔ آپ لوگوں کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"کیا بات ہوئی؟"

"یعنی وہ خطرہ انجانا نہیں تھا۔ وہ پہلے سے واقف تھے کہ خطرہ پیش آ سکتا ہے۔"

"چلو یہی سہی۔ پھر....؟"

"پھر کچھ بھی نہیں۔ میں نے صرف یہ عرض کیا تھا کہ ڈاکٹر ضدی ہیں۔"

"تم یہاں کب سے ہو۔"

"آپ کی گاڑی کی ڈکی میں گٹھری بن کر آیا تھا۔"

"یہ کیا بے ہودگی تھی۔" رحمان صاحب پھر جھلا گئے۔

"یہ تو دیکھئے کہ ان بے ہودگیوں کے لیے مجھے کتنی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر میں آپ کا فون ٹیپ کرتا ہوں۔"

"کیا مطلب....؟"

"ڈیڈی پلیز۔ یہاں نہیں گھر.... پر.... اب آیئے میرے ساتھ آپ کو دکھاؤں کہ ڈاکٹر اس وقت کہاں سے غائب ہوئے ہیں۔"

"تم بالکل گدھے ہو۔ یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟" رحمان صاحب نے اس کے سر پر منڈھی ہوئی سیاہ ٹوپی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھئے!" عمران نے ٹوپی کا نچلا گوشہ کھینچتے ہوئے کہا۔ اب ٹوپی نے غلاف کی طرح اس کے پورے چہرے کو ڈھک لیا تھا۔ آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے۔

"چلو۔" رحمان صاحب نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ وہ بھی عادتاً مجبور تھے ورنہ فیاض اور اس کے ماتحتوں کو یہاں سے ہٹا دینے کا مقصد یہی تھا کہ کسی طرح عمران کو فون پر بلا کر تجربہ گاہ کے حادثہ کی اطلاع دیں گے۔ ظاہر ہے اس کا مقصد بھی اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ عمران تجربہ گاہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا۔

عمران انہیں آبزرویٹری کی طرف لے جا رہا تھا اور اس کا چہرہ اب بھی نقاب ہی میں پوشیدہ تھا۔ دفعتاً تھوڑے ہی فاصلے سے فائروں کی آوازیں آئیں اور وہ چلتے چلتے رک گئے۔

"اوہ۔ کہیں.... لڑکی تو خطرہ میں نہیں ہے؟" رحمان صاحب بولے۔

"پرواہ نہ کیجئے۔ لڑکی کا کوئی مصرف نہیں ہو سکتا۔"

"ہوش کی باتیں کیا کرو۔" رحمان صاحب پھر بگڑ گئے۔

"غلط نہیں کہہ رہا۔ لڑکی کا مصرف اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ہم اس کے چکر میں پڑ کر وقتی طور پر اپنی توجہ تجربہ گاہ سے ہٹا لیں۔ آیئے تو سہی وہ چھ آدمی ہیں۔ فیاض اتنا شریف نہیں ہے کہ اس نے فوری طور پر آپ کے حکم کی تعمیل کی ہو۔"

"یعنی....!"

"وہ ابھی ڈاکٹر کی رہائش گاہ سے پلٹا نہ ہو گا۔ پورے چھ آدمی اس لڑکی کی دیکھ بھال کے لیے موجود ہوں گے۔"

بات حلق سے اترنے والی تھی۔ اس لیے رحمان صاحب کو آبزرویٹری ہی کی طرف بڑھنا پڑا۔ چاروں طرف سناٹے اور اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ دفعتاً عمران ٹھٹھک گیا۔ رحمان صاحب بھی رکے۔ آبزرویٹری کے نچلے دروازے کے قریب ایک متحرک سایہ نظر آرہا تھا۔ عمران بڑی پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا۔ رحمان صاحب نے بھی کافی تیزی دکھائی۔

سایہ دروازے کی تاریکی میں مدغم ہو چکا تھا۔

عمران آہستہ آہستہ سینے کے بل رینگنے لگا۔ آبزرویٹری کے دروازے تک پہنچنے میں دشواری نہیں ہوئی۔ جیسے ہی اس نے دروازے میں بھی داخل ہونا چاہا۔ رحمان صاحب نے ٹانگ پکڑ لی.... اندر اندھیرا تھا۔

"جلدی نہیں۔" رحمان صاحب نے تیزی سے کھسک کر اس کے برابر پہنچتے ہوئے سرگوشی کی۔

"مطمئن رہیے!"

وہ تھوڑی دیر تک سن گن لیتا رہا۔ پھر اندر رینگ گیا۔ تھوڑی دیر بعد رحمان صاحب نے اندر روشنی کی ہلکی سی لکیر دیکھی۔ شاید عمران نے اپنی پنسل ٹارچ روشن کر لی تھی۔

"آجائیے۔" انہوں سرگوشی سنی اور رحمان صاحب بھی اندر پہنچ گئے۔ فائروں کی آوازیں گاہ بگاہے اب بھی سنائی دے جاتی تھیں۔

یہ گول کمرہ ویران تھا۔ بائیں جانب دوسری منزل کے زینے تھے۔ عمران نے دروازہ بند کر کے اسے بولٹ کر دیا۔

"ریوالور ہے نا؟" عمران نے پوچھا۔

"اوہ۔ تم بتاؤ کیا کرنا چاہتے ہو؟ وقت برباد نہ کرو۔" رحمان صاحب دانت پیس کر بولے۔

"ہوگا ہی.... خیر.... آپ یہیں ٹھہریئے۔ میں اوپر جارہا ہوں اگر کوئی دروازہ توڑنے کی کوشش کرے.... تو....!"

"میں بچہ نہیں ہوں!" بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے رحمان صاحب تھپڑ ہی تو رسید کر دیں گے۔ لہجہ بہت تلخ تھا۔

"خدا حافظ۔" عمران دوسری منزل کے زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

O

ٹکراؤ سڑک پر ہوا تھا۔ شاید نو بجے رات کی بات ہے.... صفدر کو وہ قطعی غیر متوقع طور پر نظر آیا تھا اور اس طرح چل رہا تھا جیسے گھسٹ رہا ہو۔ چہرے پر ورم تھا اور کئی جگہ نیلے اور سیاہ نشان نظر آرہے تھے۔

کچھ دور چلتا اور رک جاتا۔ صفدر نے اسے ایک گلی سے نکلتے دیکھا تھا اور اب وہ دونوں آگے پیچھے چل رہے تھے۔ دفعتاً صفدر نے تیزی سے قدم بڑھائے اور اس کے قریب جا پہنچا۔

"جہاں پناہ....!" صفدر کا لہجہ مضحکہ خیز تھا۔ کبڑا رک گیا لیکن اس کی طرف مڑا نہیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے خلاء میں گھورتا رہا۔

"یہ آپ کی کیا حالت ہے عالی جاہ۔" صفدر نے پھر چھیڑا۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ان دنوں کبڑے پر کیا گذری ہے۔

"حالت۔" کبڑے کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ "بس ایسی ہی حالت ہے کہ میں تمہیں آواز سے پہچان سکتا ہوں لیکن اتنی ہمت نہیں کہ گردن گھما کر تمہاری شکل دیکھ سکوں۔"

"نام بتاؤ اس کا استاد جس نے تمہیں اس حال کو پہنچایا ہے۔"

"کیا کرو گے؟" بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا گیا۔

"اس کی ٹانگ پکڑ کر سارے شہر میں گھسیٹتا پھروں گا۔"

"پولیس۔"

"ارے باپ رے۔"

کبڑا ہنس پڑا اور بولا۔ "چلو۔ کہیں بیٹھیں گے۔"

کچھ دیر بعد وہ ایک گندے سے چائے خانے میں نظر آئے۔

"کیا گذری؟" صفدر نے پوچھا۔

کبڑا لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ "وہ سمجھتے ہیں کہ شاید میں کسی سازشی مملکت کا ایجنٹ ہوں۔"

"حالانکہ تم اسمگلروں کے بادشاہ ہو۔"

"میں ساری دنیا کا بادشاہ ہوں۔" کبڑا غرایا۔ "آج نہیں تو کل.... ساری دنیا کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔"

"تو وہ تم سے کیا معلوم کرنا چاہتے تھے؟"

"اے لڑکے چائے!" کبڑے نے ایک ویٹر کو مخاطب کیا۔

صفدر نے پھر اپنا سوال دہرایا۔ لیکن اس نے اکتائے ہوئے انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔ "چھوڑو ختم کرو۔"

صفدر پھر کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے چائے پیتے رہے۔ پھر یک بیک کبڑے نے کہا۔ "تم نے اس دوران میں کون سا کارنامہ انجام دیا۔"

"میں نے.... نہیں کچھ بھی تو نہیں۔" صفدر اس سوال پر گڑبڑا گیا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ کسی ایسے آدمی کو تلاش کرنا جس کا چہرہ پیشانی سے ناک تک دو حصوں میں تقسیم ہے۔"

"مجھے تو کبھی نہیں دکھائی دیا۔"

"پھر اب تم بھی میرے قریب نہ دکھائی دینا۔" کبڑے نے میز پر گھونسا مار کر کہا اور اس کی آواز بہت زیادہ بلند ہو گئی۔

دفعتاً کسی نے چیخ کر کہا۔ "اے منڈو.... گردن میں ہاتھ دے سالے کی.... آج پھر گھس آیا۔ حرامی۔"

اور پھر صفدر نے ایک ہٹے کٹے غنڈے کو اپنی میز کی طرف جھپٹتے دیکھا۔

پھر وہی مصیبت.... اس نے سوچا۔ ایک بار پہلے بھی وہ ایسے ہی حالات سے دوچار ہو چکا تھا.... وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ پچھلا تجربہ بھی زیادہ پرانا تو تھا نہیں کہ وہ اس وقت غافل ہوتا۔

جیسے ہی غنڈے نے.... کبڑے کی گردن دبوچنے کی کوشش کی۔ صفدر نے ایک ہاتھ اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔ وہ قریب ہی کی ایک میز پر جا پڑا۔

پھر قبل اس کے کہ دوسرے بھی اس کی مدد کو پہنچتے صفدر نے ایک بلب توڑ کر ہال میں اندھیرا کر دیا۔ لیکن کبڑے کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہ آ سکا اس نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ نکل ہی جائے.... کبڑا اتنا احمق نہیں تھا کہ اندھیرے سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

فٹ پاتھ پر پہنچتے ہی وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا جیسے بہت دور سے سڑکیں ناپتا چلا آ رہا ہو۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ یہیں کہیں کسی قسم کا ہنگامہ برپا کر کے سڑک پر آیا ہو گا۔

کبڑے کا کہیں پتہ نہ تھا....

O

عمران دبے پاؤں زینے طے کرتا ہوا دوسری منزل پر پہنچا۔ پھر تیسری منزل کے زینوں کی طرف بڑھا ہی تھا کہ کسی نے پوچھا۔ "کون؟"

اور عمران رک گیا۔ اندازہ ہو گیا کہ آواز کدھر سے آئی ہے۔

پھر یک بیک کسی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ حملہ خاصہ شدید تھا۔ لیکن عمران سنبھل ہی گیا۔ ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس نے اس کے چہرے پر ایک زوردار ہاتھ جڑ دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا ہی تھا کہ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "خبردار حرکت نہ کرنا اپنی جگہ سے.... بے آواز ریوالور....!"

نامعلوم آدمی نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"چلو نچلے زینوں کی طرف مڑ جاؤ۔" عمران نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور وہ بے چون و چرا کیے آگے بڑھ آیا۔ عمران کا اندازہ تھا کہ آبزرویٹری میں اس وقت کوئی چوتھا آدمی موجود نہیں۔"

زینوں پر پہنچتے ہی اس نے محدود روشنی والی ٹارچ روشن کر لی۔ قیدی آگے تھا۔ عمران کو اس کے چہرے پر ویسی ہی نقاب نظر آئی جیسی خود اس کے چہرے پر تھی۔

"یہ کون ہے؟" رحمان صاحب نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"یہ پھر دیکھیں گے۔ فی الحال اسے قابو میں رکھنا ہے۔" عمران نے بدلی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

نقاب پوش نے اس وقت مزاحمت کی جب وہ اس کے ہاتھ ٹائی سے باندھنے جا رہے تھے۔ لیکن اب وہ بہرحال بے بس تھا۔ ٹانگوں کے لیے عمران نے اپنی ٹائی کھولی اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ آدمی ایک گوشے میں پڑا ہوا نظر آیا۔ نقاب چہرے سے ہٹا دی گئی تھی اور منہ میں حلق تک دو رومال ٹھونس دیئے گئے تھے۔ لیکن عمران کو نہیں یاد آ رہا تھا کہ اس نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہو رحمان صاحب کے لئے بھی وہ اجنبی ہی ثابت ہوا۔

دفعتاً کسی نے بند دروازے پر باہر سے دستک دی اور ساتھ ہی آواز بھی آئی۔

"سونی.... جلدی کرو....!"

قیدی نے تیزی سے فرش پر لوٹنا شروع کر دیا۔ لیکن حلق سے آواز نہ نکال سکا۔ عمران کو پہلے ہی سے علم تھا کہ دروازے کے جوڑوں میں جھریاں نہیں ہیں۔ اس لیے باہر سے اندر کے حالات نہیں دیکھے جا سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے بلب روشن کر دیا۔

"سونی۔ کہاں ہو۔ یہ تم نے دروازہ کیوں بولٹ کر دیا ہے؟" باہر سے آواز آئی۔

رحمان صاحب نے اشارے سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے....

دفعتاً پھر فائرنگ کی آوازیں آئیں۔ اس بار فائر کرنے والے غالباً قریب ہی تھے۔

"اوہ بھاگو! جہنم میں جائے۔" باہر کسی نے کہا اور پھر سناٹا چھا گیا۔

ٹھیک اسی وقت عمران نے کیپٹن فیاض کی آواز سنی۔ "خبر دار۔ خبر دار....!"

پھر فائر ہوا بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں۔ پھر فائر....!

قدموں کی آوازیں دور ہوتی گئیں اور دروازے پر دستک ہوئی۔

"یہاں کون ہے؟" کیپٹن فیاض کی گرجدار آواز سنی گئی۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ تینوں آبزرویٹری کی بالائی منزل پر نظر آئے جہاں دنیا کی پانچویں سب سے بڑی دوربین نصب تھی۔

قیدی دو انسپکٹروں کی نگرانی میں تھا۔ اور تین انسپکٹر ڈاکٹر داور کی رہائش گاہ کی نگرانی کر رہے تھے۔

فیاض نے رحمان صاحب سے کئی بار ان کے نقاب پوش ساتھی کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا لیکن ہمت نہ پڑی۔ ویسے خود رحمان صاحب پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا کیونکہ فیاض کا سامنا ہوتے ہی عمران کی آواز یکسر بدل گئی تھی نہ صرف آواز بلکہ چلنے کے انداز میں رحمان صاحب اجنبیت محسوس کرنے لگے تھے۔

بالائی منزل پر خاصی ابتری نظر آئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے یہاں کچھ لوگ آپس میں ٹکرا گئے ہوں۔

"میرا خیال ہے کہ داور یہیں تھا۔" رحمان صاحب بولے.... پھر فیاض سے پوچھا۔ "ان لوگوں سے تمہارا ٹکراؤ کیسے ہوا تھا؟"

"کسی نے چوروں کی طرح عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ انسپکٹر سعید نے للکارا تو اس نے فائر کر دیا بعد میں وہ کئی آدمی ثابت ہوئے۔"

عمران اس گفتگو سے بے تعلق آس پاس کی چیزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ فیاض بار بار اس کی طرف کنکھیوں سے دیکھنے لگتا۔

O

دوسری صبح کیپٹن اپنے آفس میں بیٹھا اونگھ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی دوسری طرف رحمان صاحب تھے۔

"قیدی سے کیا معلوم کیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں جناب! وہ نہیں بتا سکتا کہ وہ لوگ ڈاکٹر داور کو کہاں لے گئے ہیں۔ اس کا کام صرف اتنا تھا کہ وہ چند آدمیوں کا ہاتھ بٹائے۔ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا باس کون ہے....اسے ہر ماہ دو ہزار روپے ملتے ہیں۔ کوئی کام کرے یا نہ کرے۔ ویسے اس نے پانچ آدمیوں کے نام اور پتے بتائے ہیں۔ جن کے ساتھ وہ اکثر مختلف قسم کے کام کرتا رہا ہے۔

"ڈاکٹر داور کے اغواء کا مقصد"

"اس پر بھی وہ روشنی نہیں ڈال سکا۔"

"پھر تم اس سلسلے میں کیا کر سکو گے؟"

"جو آپ فرمائیں جناب!"

"ان پانچ آدمیوں کے لیے تم نے کیا کیا جن کے نام اور پتے اس نے بتائے ہیں۔"

"پانچ انسپکٹر ان کی تلاش میں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" رحمان صاحب نے تھوڑی توقف سے کہا۔ "ہاں دیکھو۔ تمہیں کبڑے پر بھی نظر رکھنی ہے۔"

فیاض چونک پڑا۔ خود اس میں تو اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ رحمان صاحب سے کسی کونفیڈنشل معاملے کے متعلق کچھ پوچھ سکتا لیکن وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح پٹلو نرودا کے بیان کی تصدیق ہو جائے۔

"کبڑا۔" اس نے کہا۔ "بہت بہتر جناب!"

"وہ خود کو ہمبگ دی گریٹ کہتا ہے۔" رحمان صاحب بولے۔

فیاض نے پلکیں جھپکائیں۔ بہترین موقع تھا کہ وہ رحمان صاحب پر اپنی کارگزاریوں کا رعب ڈالتا۔

"اوہ۔" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "سمجھ گیا جناب! شہر میں عرصے سے ایک چپقلش چل رہی ہے۔ دو عجیب آدمیوں کے درمیان۔ ایک کبڑا ہے اور دوسرا.... سمجھ میں نہیں آتا کہ دوسرے کو کیا کہا جائے۔ اس کا چہرہ پیشانی سے ناک تک دو حصوں میں تقسیم معلوم ہوتا ہے۔"

"اوہ۔ تو تم ان دونوں ہی سے واقف ہو!"

"جج۔ جی ہاں!" فیاض نے کہہ تو دیا لیکن سانس پھولنے لگی۔ اس خیال سے کہ کہیں اب رحمان صاحب کوئی ایسا سوال نہ کر بیٹھیں جس کا جواب اس کے فرشتوں کے لیے بھی ممکن نہ ہو۔ کیونکہ اس نے آج تک کسی ایسے کبڑے کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔"

"فیاض ....!"

"یس سر....!"

"میں کوٹھی ہی پر ہوں۔ فوراً پہنچو۔"

"او کے سر!" فیاض نے ہانپتے ہوئے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی ریسیور رکھ دیا۔ خاصی سردی ہونے کے باوجود بھی اس کی پیشانی پسیج گئی تھی۔

O

رحمان صاحب ڈاکٹر داور کی لڑکی شمی کو اپنے ساتھ گھر لے آئے تھے۔

صبح ہوتے ہی ڈاکٹر داور کے اغوا کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ اخبارات نے معمول کے شمارے شائع ہونے کے تین گھنٹے بعد اپنے ضمیمے بھی شائع کیے۔ ڈاکٹر داور کا پراسرار اغوا معمولی واقعہ نہیں تھا کیونکہ وہ بین الاقوامی شہرت اور پوزیشن کے مالک تھے۔

شمی رات ہی سے روتی رہی تھی۔ ثریا اور اس کی چچازاد بہنیں اس کے پاس تھیں۔ عمران اپنے کمرے میں اونگھ رہا تھا۔

اب گھر والوں نے اس کی طرف خصوصیت سے توجہ دینا ترک کر دیا تھا۔ جوزف کو بھی اس کے کمرے تک آنے کی اجازت مل گئی تھی۔ لیکن کمرے میں داخلہ ممنوع تھا۔ وہ اندر آتا اور گھنٹوں کھڑکی کی سلاخیں پکڑے کھڑا رہتا۔ اسے آج تک عمران کے پاگل پن کے متعلق حقیقت کا

علم نہیں ہو سکا تھا۔

اس وقت بھی وہ کھڑکی کے قریب کھڑا عمران کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن عمران کی غنودگی کا سلسلہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ اتنے میں ثریا ادھر آنکلی جوزف نے مڑ کر بڑے ادب سے سلام کیا اور کھڑا بسورتا رہا۔

"میں کہتی ہوں آخر تم کہیں اور کیوں نہیں چلے جاتے۔ دوسری جگہ ملازمت کر لو۔" ثریا نے کہا۔

جوزف کے نتھنے پھڑکنے لگے اور موٹے موٹے قطرے گالوں پر ڈھلک آئے۔ زبان سے کچھ نہ بولا اور کھڑکی کی طرف مڑ گیا۔

"اچھا فی الحال تو کھسکو بابا۔ یہاں کچھ لوگ آرہے ہیں۔" ثریا نے نرم لہجے میں کہا۔ اسے جوزف سے ہمدردی تھی اور عمران پر بے تحاشہ غصہ آتا تھا کہ آخر وہ جوزف کو بھی حقیقت سے کیوں نہیں آگاہ کر دیتا۔ جوزف چپ چاپ رخصت ہو گیا۔

شمی عمران کو دیکھنا چاہتی تھی.... دیکھا لیکن کچھ نہ کہہ سکی۔ روتے روتے پلکوں پر ورم آگیا تھا۔ آنکھیں بیر بہوٹی ہو رہی تھیں۔ اس بار عمران کا رخ بھی کھڑکی ہی کی طرف تھا۔

"گڈ...." اس نے سلاخوں کے قریب آکر شمی کو گھورتے ہوئے کہا۔ "او ہو! تم لوگ شاید انہیں ریہرسل کرا رہی تھیں۔ ویری فائین.... آرٹسٹک.... ہاہا.... بوکس آفس ہٹ!"

ثریا کا دل چاہا کہ عمران کے سر پر پتھر توڑ دے۔ حد ہو گئی سنگدلی کی۔ ارے پاگل بنے ہو تو بکواس کی کیا ضرورت ہے.... خاموش رہو۔ بے چاری شمی.... کیا وہ اس وقت ان باتوں سے محظوظ ہو سکے گی۔

"چلو۔" ثریا نے شمی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ورنہ تمہاری طبیعت اور زیادہ خراب ہو جائے گی۔"

بہرحال میدان صاف ہو جانے پر عمران نے کھڑکی بند کر دی اور کمرے کے دوسرے سرے کی طرف پلٹ آیا۔ تیزی سے جھک کر قالین الٹا.... اور کچھ دیر فرش پر جھکا دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے فرش پر زور صرف کرتا رہا۔ پھر اس طرح تیزی سے پیچھے ہٹا جیسے کسی کنوئیں میں گر جانے کا خدشہ لاحق رہا ہو۔

دفعتاً ایک ٹائیل اپنی جگہ سے کھسک کر دوسرے کی درمیانی خلاء میں سما گیا۔ ٹائیل کا رقبہ کم از کم دو مربع فٹ ضرور رہا ہوگا.... اب فرش پر ایک اتنی بڑی خلاء نظر آرہی تھی جس سے ایک آدمی بخوبی گذر سکتا۔

کچھ دیر بعد عمران ایک چھوٹے سے تہہ خانے میں نظر آیا۔ ڈکٹافون بخوبی کام کر رہا تھا یعنی وہ رحمان صاحب کی لائبریری میں ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ صاف سن سکتا تھا۔ آوازوں کا پہچان لینا کتنی بڑی بات تھی اور پھر اسے تو پہلے ہی سے علم تھا کہ رحمان صاحب نے کیپٹن فیاض کو کوٹھی پر طلب کیا ہے۔ شاید وہ طلبی کے مقصد سے بھی واقف تھا۔ ورنہ دونوں کی گفتگو سننے کے لیے اتنا بے چین نہ ہوتا۔

رحمان صاحب کہہ رہے تھے۔ "تم کبڑے اور اس آدمی کے متعلق کیا جانتے ہو؟"

"جانتا تو کچھ بھی نہیں لیکن۔" فیاض کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کچھ کہتے وقت جملوں کا گلا مت گھونٹا کرو۔" رحمان صاحب کی آواز۔

"میں عرض کر رہا تھا جناب کہ دو چہروں والا.... خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟" رحمان صاحب صاحب کی آواز۔

"جج۔ جی ہاں.... لیکن اسے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"ہزاروں میں پہچانا جا سکے گا!"

"جی ہاں۔ بڑی آسانی سے!" فیاض نے جواب دیا۔ "لیکن کیا ہمارے پاس اس کا کوئی ریکارڈ ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ.... ریکارڈ موجود ہی ہوگا۔ لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ.... کس سنہ کے فائل میں مل سکے گا۔" رحمان صاحب کی آواز۔

"وہ دیکھئے۔ مم.... میرا خیال ہے کہ سنہ انیس سو بیس کا گرین فائل....!"

"کیا؟" رحمان صاحب کے لہجے میں استعجاب تھا۔ "گرین فائل .... تم کیا جانو .... تمہارے محکمے سے تو اس کا تعلق ہی نہیں۔"

دفعتاً کیپٹن فیاض کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ حماقت سرزد ہوئی تھی۔ اس کا تذکرہ کرنے سے پہلے اسے اپنے محکمے کے ریکارڈ کیپر سے گفتگو کرنی چاہئے تھی۔

"جواب دو۔" رحمان صاحب اسے گھورتے ہوئے بولے۔ "گرین فائیلوں کا تعلق ہم سے تو نہیں ہے.... تم گرین فائیلوں کے متعلق کیا جانو۔"

مم.... میں.... وہ.... جج.... جی...." فیاض ہکلایا۔

"ادھر دیکھو۔ تم کہاں ہو۔" رحمان صاحب کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ دفعتاً فیاض کو ایک معقول سا جواب سوجھ ہی گیا۔

"دراصل قصہ یہ ہے جناب کہ میں نے اس آدمی پٹلو نرودا.... کو کہیں دیکھا تھا۔"

"پٹلو نرودا....؟"

"جی ہاں! اس کے نام سے بھی واقف ہو گیا ہوں۔ ایک دن میں نے کبڑے اور پٹلو نرودا کی گفتگو سنی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں۔ کبڑا اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ جب چاہے اسے پھانسی کے پھندے تک پہنچا سکتا ہے۔ اسے نہ بھولنا چاہئے کہ اس کا مکمل ریکارڈ یہاں کے گرین فائیل میں موجود ہے.... اور غالباً۔ جی ہاں!.... وہ ۱۹۲۰ء ہی کا فائل تھا۔ دیکھئے سنہ کے معاملے میں میری یادداشت دھوکا بھی دے سکتی ہے۔"

"ہوں۔ اچھا۔ وہ.... آدمی پٹلو نرودا رہتا کہاں ہے؟"

"آج تک نہیں معلوم کر سکا جناب...."

"سوال یہ ہے کہ تم ان دونوں کی طرف متوجہ کیسے ہوئے تھے؟"

"دونوں ہی عجیب الخلقت ہیں جناب! جب دونوں اکٹھے ہوں تو خواہ مخواہ متوجہ ہونا پڑے گا۔ پھر اگر ان کی گفتگو میرے پیشے کے اعتبار سے قابل توجہ ہو تو دلچسپی لینا ضروری ہو جائے گا۔"

"گفتگو۔ کس قسم کی گفتگو.... نوٹ کی تھی تم نے۔"

"کوئی متنازعہ مسئلہ تھا۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو جیل بھجوانے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔" فیاض بے تکان جھوٹ اڑائے جا رہا تھا۔ "پھر کبڑے نے دفعتاً گرین فائیل کا حوالہ دیا تھا اور بدصورت آدمی پٹلو نرودا بوکھلا گیا تھا...."

"وہ دونوں کب سے نہیں دکھائی دیئے۔"

"کئی دن سے۔"

رحمان صاحب تھوڑی دیر خاموش رہے پھر بولے۔ "اچھا ٹھیک ہے۔ دونوں پر نظر رکھو۔"

پھر انہوں نے فیاض کو کبڑے کے اس مکان کا پتہ نوٹ کرایا جہاں اس کی گرفتاری عمل میں آئی تھی۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فیاض کو جلد از جلد رخصت کر دینا چاہتے ہوں۔ لیکن فیاض غالباً منتظر تھا کہ رحمان صاحب خود ہی اسے واپسی کی اجازت دیں۔

"بس جاؤ۔" رحمان صاحب نے کچھ دیر بعد مضطربانہ انداز میں کہا۔

فیاض کے چلے جانے پر وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھے کسی کے نمبر ڈائیل کیے۔

"ملٹری انٹیلی جنس؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کنکٹ جنرل شاہد۔" رحمان صاحب نے کہا۔

"یور آئیڈنٹٹی پلیز؟" دوسری طرف سے سوال ہوا۔

"ڈی۔ جی آف سنٹرل انٹیلی جنس بیورو۔"

"او کے سر!" دوسری طرف سے آواز آئی.... اور تھوڑی دیر بعد جنرل شاہد کی آواز آئی۔

"ہیلو! رحمان.... اولڈ بوائے۔"

"شاہد پندرہ منٹ کے اندر مجھ سے کہاں مل سکتے ہو؟"

"کوئی خاص بات۔"

"بہت اہم۔"

"کیا تم کوٹھی سے بول رہے ہو؟" جنرل شاہد نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"اچھا تو وہیں ٹھہرو۔" جنرل شاہد نے کہا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

رحمان صاحب نے پندرہ منٹ بڑی بے چینی سے گذارے۔ بالآخر جنرل شاہد کی لمبی سی سیڈان کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

جنرل شاہد ایک دراز قد اور قوی الجثہ آدمی تھے۔ عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ آنکھوں سے غیر معمولی ذہانت مترشح تھی۔ دونوں بے تکلف دوستوں کے سے انداز میں ملے اور رحمان صاحب نے گرین فائیل کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ جنرل شاہد کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے وہ ذہن پر زور دے رہے ہوں۔

کچھ دیر بعد انہوں نے کہا۔ "تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ گرین فائیل پہلی جنگ عظیم کے دوران مین ٹین کیے گئے تھے اور ان کا سلسلہ ۱۹۲۵ء تک جاری رہا تھا اس کے بعد بعض انتظامی امور میں تبدیلیاں ہوئی تھیں اور گرین فائیل سسٹم بھی کسی دوسرے طریق کار میں مدغم ہو گیا تھا۔ مگر ٹھہرو! یہ گرین فائیل کا تذکرہ کہاں سے نکلا؟"

رحمان صاحب کو کبڑے کی کہانی شروع سے دہرانی پڑی۔ پھر پٹلو نرودا کا ذکر چھڑ گیا اور اس سلسلے میں رحمان صاحب نے کیپٹن فیاض کی گفتگو کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔

"پٹلو نرودا کا ریکارڈ غالباً ۱۹۲۰ء کے گرین فائیل میں موجود ہے۔"

"اچھی بات ہے میں دیکھوں گا۔ اوہ ٹھہرو تو کیا تمہارا خیال ہے کہ ڈاکٹر داور کے اغوا میں انہیں لوگوں کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

"امکانات ہیں..!"

"میں چوبیس گھنٹوں سے پہلے ۱۹۲۰ء کے فائیل کے متعلق کچھ نہ بتا سکوں گا۔ بڑی جھنجھٹ کا کام ہے۔"

"ایکس ٹو کون ہے؟" رحمان صاحب پوچھ بیٹھے۔

"کیا مطلب؟" جنرل شاہد چونک پڑے۔

"بس یونہی پوچھ رہا ہوں۔"

"میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔ یہ سر سلطان کے محکمے کا کوئی جانور ہے۔ اور شاید صرف وہی اس کی شخصیت سے واقف ہوں۔ اس کے ماتحت زیادہ تر میرے محکمے کے لوگ ہیں لیکن وہ بھی نہیں جانتے کہ ایکس ٹو کون ہے۔ کیوں ایکس ٹو کے متعلق تم کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"یوں ہی پوچھا تھا۔ بے تکا نام ہے۔ جاسوسی ناولوں کا سا کوئی کردار معلوم ہوتا ہے۔"

"سر سلطان خبطی ہیں۔ اچھا خیر۔ تو میں چلا۔ یہ نام پٹلو نرودا مجھے جانا پہچانا سا معلوم ہوتا ہے۔"

O

عمران نے ڈکٹافون پر پہلے فیاض کی گفتگو سنی تھی اور پھر جنرل شاہد کی.... اس کے بعد وہ اس مختصر سے تہہ خانے سے اوپر آ گیا۔

رحمان صاحب کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ کمرہ کتنے رازوں کا مدفن ہے۔ عمران

سے آج تک نہیں معلوم کر سکے تھے کہ وہ کبڑے کی گرفتاری والی رات کمرے سے باہر کیسے نکل سکا تھا۔ حالانکہ اب وہ اس کے پاگل پن کی اصلیت سے بھی آگاہ ہو چکے تھے۔ لیکن اس پر آج تک غور نہیں کیا تھا کہ پاگل پن کے دوران میں مختلف کمروں میں کیوں ناچتا پھرتا تھا اور پھر اس کمرے میں کیوں دھرنا دے بیٹھا تھا جو پہلے کبھی کوٹھی کے دوران قیام میں اس کا مستقل رہائشی کمرہ ہوا کرتا تھا۔

کئی سال پہلے کی بات تھی ایک بار رحمان صاحب خاندان سمیت گرمیاں گذارنے پہاڑ پر چلے گئے تھے۔ عمران نے ملازموں کو بھی چھٹی دی اور کسی طرح شہر سے کچھ معمار پکڑ لایا۔ اس طرح اس کمرے میں وہ اپنی مرضی کے مطابق کچھ تبدیلیاں کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ جن کا علم رحمان صاحب کو بھی نہ ہو سکا۔

اسی رات کو چور دروازے سے باہر نکلنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ قفل میں کنجی گھمانے کی آواز آئی۔ دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھلا اور رحمان صاحب اندر داخل ہوئے۔

"بیٹھو بیٹھو!" انہوں نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔ "اگر ذرہ برابر بھی غیر سنجیدہ ہوئے تو تھپڑ رسید کر دوں گا۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔"

"فرمائیے!" عمران نے بڑی سعادت مندی ظاہر کی۔

"تم نے کبھی پٹلو نرودا کا نام سنا ہے؟"

"اس کی بہتری نظمیں پڑھی بھی ہیں...."

"پٹلو نرودا۔" رحمان صاحب آنکھیں نکال کر غرائے۔ "پبلو نرودا نہیں۔"

"اوہ۔ ہاں۔" عمران کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ "جی ہاں پٹلو نرودا ۱۹۲۰ء کی جنگ میں اس نے قیصر ولیم کے خاص ایلچی کی حیثیت سے ایک لمبا سفر کیا تھا۔ پھر اس نے جرمنی سے غداری کی۔ انگریزوں سے آملا۔ ۱۹۲۰ء تک اس کا نام بڑے زور و شور کے ساتھ سنا گیا اس کے بعد اچانک غائب.... یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ۱۹۲۰ء میں اس پر کیا حادثہ گذرا تھا۔ بحر اوقیانوس میں ڈوبنے والے فرانسیسی جہاز کے کتے بھی بچا لیے گئے تھے لیکن پٹلو نرودا۔ آج تک معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔ افواہ تھی کہ جہاز بھی خواہ مخواہ نہیں ڈوبا تھا۔"

"تمہیں یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں....؟"

"کنفیوشس....!"

"بکواس مت کرو....!"

"۱۹۲۰ء کا گرین فائیل۔"

"خدا کی پناہ۔ تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"ملٹری انٹیلی جنس کا ایک فائلنگ سسٹم جو ۱۹۲۵ء کے بعد ختم کر دیا گیا تھا۔"

رحمان صاحب اسے متحیرانہ انداز میں گھورتے رہے۔ عمران خود ہی بولا۔ "پٹلو نرودا کی بات کیوں چھیڑی ہے آپ نے۔"

"کیا تم اس کی کسی پہچان سے بھی واقف ہو؟"

"مجھے اس کے ریکارڈ سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی اس لیے تفصیل میں جانے کی ضرورت کیوں پیش آتی۔"

رحمان صاحب تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہے پھر بولے۔ "وہ ان دنوں یہاں دیکھا جا رہا ہے۔"

"افواہ ہو گی۔"

"نہیں۔ جنرل شاہد نے اس کے ریکارڈ کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔ وہ پٹلو نرودا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کا چہرہ دو حصوں میں تقسیم معلوم ہوتا ہے۔"

"اوہ۔ تو کیا آپ کو کبڑے کی بات پر یقین آ گیا ہے۔" عمران مضحکانہ انداز میں مسکرایا۔

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ فیاض نے بھی اسے دیکھا ہے ایک ایسے موقع پر جب وہ دونوں آپس میں لڑ پڑے تھے۔ کبڑے نے اس کا نام لے کر گرین فائیل کا حوالہ دیا تھا۔ اس طرح گرین فائیل تک رسائی ہو سکی ورنہ کسی کو کیا علم ہوتا۔"

عمران کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ بھی کبڑے کا فراڈ ہو۔ ایک ایسا آدمی بھی بنا بیٹھا ہو جس کے سر الزام رکھ کر خود الگ ہو سکے۔"

"میں اس کے امکانات پر بھی پہلے ہی غور کر چکا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس نئے مسئلے پر بھی سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔"

"اسے آپ نیا مسئلہ کہہ رہے ہیں تو آپ کے ذہن میں کوئی پرانا مسئلہ بھی ہو گا۔"

"کیوں؟ کیا وہ کبڑا۔" رحمان صاحب اسے پھر گھورنے لگے۔ لیکن جملہ پورا کیے بغیر۔

"جی ہاں! میری دانست میں تو وہ بھی نیا ہی ہے پرانا مسئلہ تو صرف وہ آدمی تھا جسے ان لوگوں نے نکال لے جانا چاہا تھا۔"

"تم نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ ڈاکٹر داور کے اغوا میں ان ہی لوگوں کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

"جی ہاں اور شبہ بے بنیاد بھی نہیں ہو سکتا جب کہ کبڑے کے بارے میں ذاتی طور پر یہ نظریہ قائم کر چکا ہوں کہ وہ کسی جنگ باز ملک کا ایجنٹ ہے۔"

"چلو فی الحال تسلیم کیے لیتا ہوں۔ پھر؟"

"بڑی مصیبت ہے۔" عمران مسمسی سی صورت بنا کر بولا۔

"کیا؟" رحمان صاحب غرائے۔

"وہ کبڑا میرے لیے نئی دریافت نہیں ہے۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ "دو سال سے اس پر نظر تھی۔ ادھر چھ ماہ سے نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے سوچا کسی طرف نکل گیا۔ لیکن جب آپ کے قیدی کا قصہ اٹھا تو اس کبڑے کی پوزیشن کسی حد تک واضح ہوئی لیکن وہ غائب تھا۔ لڑکی قتل کر دی گئی اور پھر کچھ ہی دن بعد کبڑا بھی نظر آیا۔"

"ہو گا۔" رحمان صاحب برا سا منہ بنا کر بولے۔ "میں ڈاکٹر داور کی بات کر رہا تھا۔"

"پچھلے چھ ماہ سے پہلے کی بات ہے۔ میں نے اکثر اسے تجربہ گاہ کے آس پاس منڈلاتے دیکھا تھا....

رحمان صاحب کچھ نہ بولے.... عمران اونگھنے لگا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسٹول پر بیٹھے بیٹھے ہی سو جائے گا۔ پلکیں آہستہ آہستہ جھکتیں اور وہ خود کو جھکولا دے کر سنبھل جاتا۔ آنکھیں پھاڑتا اور جھینپے ہوئے انداز میں مسکراتا۔

"آخر اس اغوا کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟" رحمان صاحب متفکرانہ لہجے میں بڑبڑائے۔

"عقیقہ۔"

"کیا؟" رحمان صاحب گرجے.... اور عمران بے ساختہ اچھل پڑا۔ بوکھلائے ہوئے انداز میں آنکھیں پھاڑیں اور پھر دونوں ہاتھوں سے منہ پیٹتا ہوا بولا۔ "میں نے کیا کہا تھا؟ او۔ اوف.... یہ غنودگی خدا اسے غارت کرے۔"

"ہوش میں رہو!"

"کام نہیں چلے گا۔" عمران نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔ "پھر بے ہوش ہونا پڑے گا ورنہ شاید ڈاکٹر داور نے جو کچھ بھی معلوم کیا ہے اس کے متعلق ملٹری انٹیلی جنس کو کوئی اطلاع نہیں دی۔ بلکہ غالباً انہیں کسی مسئلے میں شبہ ہے۔ اس لیے اغوا کی ضرورت پیش آئی ورنہ خاتمہ بھی کوئی ایسی بڑی بات نہیں تھی۔"

"کیا بک رہے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ اب مجھے اسی وحشت کے عالم میں گھر سے نکل جانے دیجئے۔"

"غالباً سب سو رہے ہوں گے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تم نے خود ہی تجویز پیش کر دی جتنی جلد ممکن ہو سکے دفع ہو جاؤ ورنہ تمہارا یہ نیگرو بدمعاش مجھے کنگال کر دے گا۔ خدا کی پناہ چھ بوتلیں یومیہ۔ آخر تم اس کے اخراجات کہاں سے پورے کرتے ہو؟"

"شیطان دیتا ہے۔"

رحمان صاحب برا سا منہ بنا کر رہ گئے۔ عمران اپنے کپڑے جھاڑ رہا تھا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟"

"جوزف کہاں سو رہا ہے؟" عمران نے سوال کا جواب دینے کی بجائے پوچھا۔

"گیراج میں!"

"بس میں چلا۔"

کمپاؤنڈ میں اندھیرا تھا۔ عمران بے دھڑک باہر آ گیا۔ کیونکہ رحمان صاحب کو کتوں سے نفرت تھی۔ نہ ہوتی تو عمران اتنی آسانی سے اپنی اسکیموں میں کامیاب بھی نہ ہو سکتا کمرے میں چور دروازے کی موجودگی بھی بے کار ثابت ہوتی۔ وہ گیراج کی طرف جا رہا تھا۔

O

جولیانا فٹزواٹر جاگ پڑی۔ غالباً فون کی گھنٹی دیر سے بج رہی تھی۔ اس نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا لیکن دوسری طرف سے تنویر کی آواز سن کر جھلا گئی۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے؟" وہ دانت پیس کر دہاڑی۔

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔" تنویر بھی غالباً چیخا ہی تھا۔ "کیا اب پولیس کو رنگ کروں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" جولیا جھلا کر ریسیور کریڈل پر پٹخنے ہی والی تھی کہ تنویر بولا۔ "یہ عمران...!"

"کیا۔"

"عمران آدھے گھنٹے سے دروازہ پیٹ رہا ہے۔ کپڑے تار تار ہیں اور جوزف کوشش کر رہا ہے کہ اسے سمجھا بجھا کر واپس لے جائے۔"

"اوہ۔" جولیا کی آواز سے تھکن مترشح تھی۔ "پھر بتاؤ۔ میں کیا کروں؟"

"کر دیا نہ کرو۔ میں اب باہر نکل کر مرمت کروں گا۔"

"ٹھہرو ! ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔" جولیا جلدی سے بولی۔ "جوزف تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"اوہ.... کیا میں....!"

"ٹھہرو تنویر!" جولیا نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں آ رہی ہوں۔ میرے پہنچنے سے پہلے دروازہ نہ کھولنا۔"

"خیر آؤ۔" سلسلہ منقطع ہو گیا۔

بیس منٹ بعد جولیا کی گاڑی تنویر کے بنگلے کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی برآمدے میں پڑی تھی۔ عمران اور جوزف صاف نظر آ رہے تھے۔ عمران دروازہ پیٹے جا رہا تھا اور جوزف بار بار گھگھیا رہا تھا۔ "باس خدا کے لیے اب بس کرو۔ کہیں اس شریف آدمی کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔"

"ابے بس چپ بھی رہ۔" تنویر اندر سے گرجا۔ "میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔ ہونہہ!"

"کیا بات ہے؟" جولیا کی آواز پر وہ دونوں چونک کر مڑے۔

"لل.... لڑکی!" عمران پہلے تو ہکلایا اور پھر اچھل کر جوزف کی گردن سے جھول گیا۔

"بب۔ بچاؤ۔ پیارے بھائی.... خدا کے لیے مجھے اس لڑکی سے بچاؤ!

"باس ہوش میں آؤ.... دیکھو یہ مس فٹز واٹر ہیں۔"

"سوڈا واٹر حرام ہے.... بھگاؤ اسے.... ڈارلنگ بلیکی.... بھگاؤ.... فادر۔ فادر۔ ہولی فادر!" وہ حلق پھاڑنے لگا۔

تنویر بھی باہر آ چکا تھا۔ اب اس نے جوزف پر برسنا شروع کر دیا۔ "لے جاؤ اسے یہاں سے ورنہ دونوں کو پاگل خانے بھجوا دوں گا۔"

"ٹھہرو۔ خاموش رہو! میری سنو۔" جولیا اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "بہتر ہے کہ اسے اندر لے چلنے کی کوشش کرو جوزف تم بھی مدد کرو۔ ورنہ کسی پریشانی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اتنی رات گئے اس ہنگامے نے پولیس کو متوجہ کر لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

بات جوزف کی بھی سمجھ میں آ گئی اور وہ لوگ عمران کو اندر دھکیل لے گئے۔

"چھوڑو۔ مجھے چھوڑو۔" عمران زور زور سے ہاتھ گھماتا رہا۔

بدقت تمام وہ اسے ایک آرام کرسی تک لا سکے اور پھر جولیا ہی کی تجویز پر اسے کرسی سے باندھ دیا گیا۔

"ہائے میں سمجھ گیا۔" عمران روہانسی آواز میں کراہا۔ "اب یہ لڑکی مجھے ایک عشقیہ خط لکھے گی اور اس کی سہیلی اسے مشورہ دے گی کہ خط پر پانی کی دو چار بوندیں بھی ٹپکا کر بلاٹنگ پیپر سے خشک کر دو تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ ہائے یہ لڑکیاں مجھے اس قدر الو کیوں سمجھتی ہیں۔ ارے بابا.... میں ڈیڑھ درجن بچوں کا باپ ہوں اور چوتھی شادی کی فکر ہے۔ ہائے۔ بچاؤ۔ کوئی بچاؤ۔ پولیس۔ پولیس!"

"بکواس بند کرو۔" تنویر نے اسے گھونسہ دکھایا۔

"اے مسٹر ہوش میں رہو! باس پاگل ہوں گے لیکن میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔"

"کیا بکتا ہے۔"

جوزف آنکھیں نکال کر اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ جولیا درمیان میں آ گئی۔

O

آج کیپٹن فیاض بذات خود کبڑے کا تعاقب کر رہا تھا۔ پھر اپنے مقدر کو گالیاں کیوں نہ دیتا۔ تین گھنٹے گذر چکے تھے سڑکیں ناپتے لیکن کبڑا تھا کہ کہیں رکنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ ایک بار میں داخل ہوا اور فیاض نے فوری طور پر شرابی بننے کی کوشش کر ڈالی۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے پہلے بھی کہیں پیتا رہا ہو اور راہ چلتے حلق تر کرنے چلا آیا ہو۔ کئی میزیں خالی تھیں۔ فیاض نے کبڑے کے قریب ہی والی میز منتخب کی۔ کبڑے کی پشت اس کی طرف تھی۔

ویٹر کی شکل دیکھ کر فیاض نے آنکھیں اور نشیلی بنالیں.... اور جھومتا ہوا بولا۔ ''مارٹینی لاؤ....ڈبل....!''

''جی صاحب!'' ویٹر نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''مارٹینی....یو انفرنل بیسٹ!''

''صاحب....مینو میں نہیں ہے۔''

''مینو کے بچے....میں مسور کی دال اور چپاتیاں نہیں مانگ رہا۔''

''منیجر صاحب کو بلاؤں صاحب!''

''مارٹینی....مارٹینی....جاہل کندہ تراش! شراب....مارٹینی شراب۔ کیا تم فرانس کبھی نہیں گئے ہائے پیرس۔ میں مارٹینی کے علاوہ اور کچھ نہیں پیتا۔ اچھا ایک اسٹیک لاؤ۔'' ویٹر کی جان میں جان آئی اور وہ اسٹیک لینے دوڑا گیا۔

ادھر اب کبڑے کی میز بھی خالی نہیں تھی۔ ایک خوبصورت یوریشین لڑکی بھی تھی اور رم کی بوتل بھی۔ رم غالباً خالص ہی چل رہی تھی کیونکہ آس پاس نہ تو سائیفن ہی موجود تھا اور نہ سوڈے کی بوتل۔ سروس اتنی چوکس نہیں تھی کہ فوری طور پر خالی بوتل ہٹا دیئے جانے کا امکان ہوتا۔

فیاض میز پر کہنیاں ٹیک کر آگے جھک آیا۔ ان دونوں کے مابین گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔

کبڑا کہہ رہا تھا۔ ''مجھے تمہاری ماں سے عشق ہے۔''

''بکواس مت کرو۔'' لڑکی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

''اگر زندہ ہو تو میرا ایک پیغام اس تک ضرور پہنچا دینا۔''

''میں اٹھ جاؤں گی۔ ہاں۔'' لڑکی نے دھمکی دی۔

''ارے نہیں ایسا بھی کیا۔ ہام تو تمہاری ماں....''

لڑکی نے زور سے میز پر ہاتھ مارا اور کبڑا جملہ پورا نہ کر سکا۔ خواہ مخواہ دانت نکال دیئے اور زبردستی ہنستا رہا۔ پھر لڑکی بھی اسے چڑانے پر آمادہ نظر آنے لگی۔

''یہ گٹھری اب زمین پر رکھ دو۔'' اس نے اس کے کوبڑ کی طرف اشارہ کیا۔

''ہوں!'' فیاض نے اس کی آواز میں غراہٹ سی محسوس کی۔ ''یہ گٹھری جس دن زمین پر اتری' پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح خلاء میں چکراتے پھریں گے۔''

''اور تم کسی پاگل خانے میں نظر آؤ گے۔ کیوں؟'' لڑکی اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر ہنسی۔

کبڑے نے جھلاہٹ میں اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''حرامی۔'' لڑکی کا بھرپور ہاتھ اس کے گال پر پڑا۔

''کتیا۔ حرامزادی۔'' کبڑے نے اس کی کھوپڑی پر دوہتڑ چلایا اور وہ اس طرح پیچھے ہٹی کہ کرسی سمیت الٹ ہی جانا پڑا۔ بس پھر اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔

کبڑے پر چاروں طرف سے یلغار ہو گئی۔ مارو۔ مارو کے شور میں لڑکی کی ہسٹریائی چیخیں بھی مچل رہی تھیں۔ پھر دفعتاً ہال میں اندھیرا ہو گیا۔

فیاض کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اندھیرا....اور....مغز پھاڑ دینے والا شور....ہاتھاپائی کی آوازیں....پتہ نہیں کتنے آدمی آپس میں الجھ پڑے تھے۔

''او۔ الو کے پٹھے سنبھل کر....''

''زبان....سنبھال....''

''تڑاق....''

''ہائیں۔ ہائیں....''

کیپٹن فیاض نے اٹھنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں سر پر قیامت ٹوٹی۔ بے خبری میں چبھنے والی سوئی بھی بعض اوقات نیزے کی انی معلوم ہوتی ہے پھر فیاض کو اپنا سر پاش پاش ہوتا کیوں نہ محسوس ہوتا۔ کوئی خاصی وزنی چیز اپنا کام کر ہی گئی تھی۔

فیاض چکرا کر کرسی سمیت گرا اور اندھیروں میں گم ہوتا گیا۔ لیکن اس عالم میں بھی وہ سوچ رہا تھا کہ محض اتفاق ہو سکتا ہے یا دیدہ دانستہ اس پر حملہ ہوا ہے۔ واقعہ اندھیرے کا تھا اس لیے کسی کے خلاف کوئی کارروائی بھی نہیں کی جا سکتی۔ فیاض بڑی خاموشی سے بے ہوش ہو گیا۔ وہ کسی بہت ہی معمولی آدمی کے روپ میں کبڑے کے پیچھے لگا تھا۔

O

''اچھا تو پھر کیا ہوا۔'' خاور نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

جولیا غصے کی زیادتی کی وجہ سے صحیح الفاظ ادا کرنے سے قاصر تھی۔ سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ بدقت تمام وہ بولی۔ ''تنویر۔ خدا اس سے سمجھے۔ میں نے عمران کو اس کی نگرانی میں دے کر

غلطی کی تھی۔ کاش کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ ہی لائی ہوتی۔"

"کیوں؟ کیا اب وہ وہاں نہیں ہے؟"

"نہیں۔" جولیا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "ہم نے اسے کرسی سے جکڑ دیا تھا۔ لیکن وہ رات میں کسی وقت نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔"

"اچھا جوزف کہاں ہے؟"

"اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکا کہ عمران کب نکل گیا اور تنویر کا بیان ہے کہ وہ خود ساری رات گہری نیند سوتا رہا تھا۔"

"یہ ناممکن ہے!" خاور کا لہجہ تشویش کن تھا۔ "اگر تنویر نے اسے نکل بھاگنے میں مدد دی ہو گی تو.... نہیں یہ بھی قرین قیاس نہیں۔"

"تم نہیں سمجھتے۔ مجھ سے زبردست غلطی ہوئی۔ وہ عمران کا دشمن ہے۔ خطرناک ترین دشمن۔"

"اوہ سمجھا۔" خاور ہنس پڑا۔ "تم ہی بہتر سمجھ سکتی ہو۔"

جولیا پھر کسی سوچ میں گم ہو گئی۔ کچھ دیر بعد بولی۔ "اگر میں جوزف کو اشارہ بھی کر دوں تو وہ تنویر کی بوٹیاں اڑا دے گا۔"

"اب وہ کہاں ہے؟"

"میرے ساتھ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیسے سمجھاؤں۔ صبح پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ بالکل بچوں ہی کے سے انداز میں اس کے متعلق سوالات کرتا ہے۔"

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور جولیا نے جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے ایکس ٹو کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

"یس سر!" جولیا نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"تم لوگ عمران سے قطعی دور رہو۔ اگر کہیں دکھائی بھی دے تو نظر انداز کرو۔"

"مم.... مگر.... کیوں جناب؟"

"بکواس کرو گی؟" ایکس ٹو غرایا۔ "تمہیں جرات کیسے ہوتی ہے مجھ سے کسی حکم کی وجہ پوچھنے کی؟"

"مم.... معافی چاہتی ہوں جناب!" جولیا نے بوکھلا کر کہا۔

"سنو!" ایکس ٹو نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "نکسن روڈ پر رٹز کے سامنے ایک شراب خانہ ہے۔

وہاں اس وقت کیپٹن فیاض فرش پر بے ہوش پڑا نظر آئے گا۔ براؤن رنگ کے شکستہ سوٹ میں ہے اور نقلی مونچھیں لگا رکھی ہیں۔ انسپکٹر زاہد کو فون کرو کہ اسے اٹھا لے جائے گمنام کال۔ یاد رکھنا۔ بس۔"

سلسلہ منقطع ہو گیا اور جولیا جھلائے ہوئے انداز میں ریسیور پٹخ کر خاور کی طرف مڑی۔

"کیا بات ہے؟" خاور مسکرایا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ کال ان کے چیف آفیسر کی رہی ہو گی۔

"پتہ نہیں! اس جانور سے کب اور کس طرح پیچھا چھوٹے گا۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"عمران سے دور رہو! اگر کہیں دکھائی بھی دے جائے تو نظر انداز کرو۔"

"میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ اس کا پاگل پن مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا۔"

"کیا مطلب....؟"

"وہ ایکس ٹو ہی کی کسی اسکیم کے تحت پاگل بنا ہو گا۔"

"میں یقین نہیں کر سکتی۔"

"پھر وہ عمران سے دور رہنے کا مشورہ کیوں دے رہا ہے۔" اسی طرح صفدر سے بھی دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ کوئی وجہ تو ہونی چاہیے۔"

جولیا کسی سوچ میں پڑ گئی۔ اتنے میں خاور کسی آواز پر چونکا اور اسی طرف کان لگا دیئے۔ پھر بولا۔ "یہ.... کون ہے۔ کیا اسی عمارت میں۔"

"جوزف شاید رو رہا ہے!" جولیا بولی۔ خاور ہنس پڑا۔ لیکن جولیا بدستور سنجیدہ رہی۔ سنجیدگی غم آلود تھی۔

"اوبابا۔ تو آخر تم اس کے لیے اتنی پریشان کیوں ہو؟"

"بکواس مت کرو۔ مجھے تمہاری ہمدردیوں کی ضرورت نہیں۔"

اس جھڑکی کے باوجود بھی خاور ہنستا ہی رہا۔ وہ سبھی جولیا کا احترام کرتے تھے۔ اس حد تک کہ اس کی جھڑکیاں بھی انہیں گراں نہیں گزرتی تھیں۔

خاور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"آجاؤ۔" جولیا نے کہا اور جوزف لنگڑاتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"مجھے جانے دو.. مسّی!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں باس کو تلاش کر ہی لوں گا۔"

"اچھی بات ہے!" جولیا نے ٹھنڈی سانس لی۔ "جاؤ۔ لیکن مجھے فوراً ہی اطلاع دینا اگر کہیں دکھائی دے جائے۔"

"میں انہیں زبردستی اٹھا کر یہیں لاؤں گا مسّی۔ باپ کے گھر نہیں لے جاؤں گا۔ ایسا بھی کیا کنجوس باپ؟"

"کیا مطلب؟" خاور اسے گھورتا ہوا بولا۔ "رحمان صاحب تو بڑے شاہ خرچ آدمی ہیں تم انہیں کنجوس کیوں کہتے ہو؟"

"کنجوس کیوں کہتا ہوں۔" جوزف آنکھیں نکال کر غرایا۔ "جوان بیٹا پاگل ہو گیا ہے کچھ دن علاج کیا.... ڈاکٹر پر ڈاکٹر آئے.... مگر اب انہیں بالکل پرواہ نہیں ہے اب وہ باس پر ایک پائی بھی نہیں صرف کر سکتے۔"

"تمہارے باس نے انہیں کبھی سکھ نہیں دیا۔"

"تم پڑھے لکھے لوگوں سے میں بحث نہیں کر سکتا۔ ایک وحشی قوم سے تعلق رکھتا ہوں لیکن میرا بیٹا.... خواہ وہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو ہمیشہ میرے سینے سے لگا رہے گا آسمانی باپ نے ہم کمینوں کو سینے سے لگا رکھا ہے۔ ہم جو دن رات اس کی نافرمانی کرتے ہیں کیا وہ جوزف کا پیٹ نہیں بھرتا.... اس جوزف کا جو گوشت کھاتا ہے اور ہر وقت شراب میں ڈوبا رہتا ہے۔"

"اے جاہل آدمی میں تجھ سے بحث نہیں کر سکتا۔ مجھے معاف رکھ!" خاور نے ہنس کر کہا۔ "ورنہ میرا باپ بھی سانپ بن کر سرکنڈے کی جھاڑیوں میں سرسراتا پھرے گا...."

جولیا بھی مسکرا پڑی۔ لیکن جوزف کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں جا رہا ہوں مسّی.... خدا حافظ...."

"تمہاری چھ بوتلیں یہاں تیار ملا کریں گی۔" جولیا نے کہا.... جوزف مزید کچھ کہے بغیر.... دروازے کی جانب مڑ چکا تھا....!

O

زیرو نائین ٹرانسمیٹر کا سفری سیٹ صفدر کے پاس موجود تھا۔ لیکن اسے کبھی موقع نہ مل سکا کہ وہ اسے استعمال کر سکتا۔ آج کل وہ گرینڈ ہوٹل میں مقیم تھا۔ اخراجات کے لیے بے تحاشہ

رقوم ملتی تھی لیکن اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ رہا ہو گا کہ وہ رقومات آتی کہاں سے ہیں۔ کون س تک پہنچاتا ہے.... ایک آدھ بار ایکس ٹو کی طرف بھی دھیان ضرور گیا تھا لیکن پھر سوچا کہ ایکس ٹو سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس حد تک اپنے ماتحتوں کا خیال رکھے گا۔ نوٹوں کی گڈیاں اسے اپنی جیبوں میں ملتی تھیں.... تکیے کے نیچے بستر پر ملتی تھیں۔ غرضیکہ اسے اتنا مل جاتا تھا کہ وہ عیش سے زندگی بسر کر سکتا....!

لیکن زیرو نائین کا سیٹ استعمال کر کے ایکس ٹو سے رابطہ قائم کرنے میں کون حارج ہو سکتا تھا....؟

کوئی شخص.... کوئی انجانا آدمی.... جو ہر وقت اس کے آس پاس ہی موجود ہوتا ہے۔ وہ ویٹر ہی سہی.... جو اکثر دستک دیئے بغیر ہی اس کے کمرے میں گھس آتا تھا۔ اور پھر اس طرح گڑگڑا کر معافی مانگتا تھا کہ سفاک ترین آدمی بھی پسیج جاتا۔ صفدر کو یقین تھا کہ کبڑے کے آدمی ہر وقت اس کی نگرانی کرتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ ایکس ٹو سے اسے اپنے آدمیوں سے دور ہی رہنے کی ہدایت ملی تھی۔

کبڑا۔ کبڑا۔ ہمبگ دی گریٹ! صفدر اس کے متعلق سوچتے سوچتے اس طرح جھلا جاتا کہ مٹھیاں غیر شعوری طور پر سر کے بال جکڑنے لگتیں....!

اس وقت بھی وہ گرینڈ ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں کبڑے ہی کا منتظر تھا۔

وہ آٹھ بجے نظر آیا.... لیکن اس انداز میں کہ صفدر کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

ڈنر سوٹ میں تھا.... بے داغ قمیض.... اور ایک عورت جو اس کے قد سے دوگنی ضرور رہی ہو گی۔ عورت کا لباس بھی قیمتی تھا۔ چہرہ خاصا دلکش تھا۔ لیکن کبڑے ہی کی طرح بے ہنگم تھی۔ دبلی پتلی تاڑ جیسی.... دونوں کو ساتھ دیکھ کر ڈائننگ ہال کا ہر فرد متوجہ ہو گیا تھا۔ پہلے بھی کوئی ایسا مضحکہ خیز جوڑا شاید ہی کسی کی نظر سے گذرا ہو۔

عورت بڑی بے پروائی سے مسکرا رہی تھی۔ کبڑے ہی کی طرح اسے بھی غالباً اس کی پرواہ نہیں تھی کہ لوگ انہیں مضحکانہ انداز میں گھور رہے ہیں۔

دونوں تیر کی طرح صفدر کی میز کی جانب آئے۔ صفدر ان دنوں ہر وقت میک اپ میں نظر آنے لگا تھا۔ وجہ معقول تھی اس نے ایک دن کیپٹن فیاض اور اس کے چند خاص ماتحتوں کو بھی

کبڑے کی نگرانی کرتے دیکھ لیا تھا۔ کیپٹن فیاض صفدر کو عمران کے دوست کی حیثیت سے جانتا تھا۔ لہٰذا وہ اسے کبڑے کے ساتھ دیکھ کر کان ضرور کھڑے کرتا۔ لہٰذا اس نے سوچا کیوں نہ ہر وقت اسی میک اپ میں رہے جس میں پہلی بار کبڑے سے ملاقات ہوئی تھی۔

"ہلو.... صفی گریٹ بوائے...." کبڑے نے بڑے مشفقانہ انداز میں صفدر سے مصافحہ کیا اور پھر عورت کی طرف دیکھ کر بولا۔ "لیڈی ہمبگ.... مائی لائف۔"

"ڈلائیٹڈ.... مائی لیڈی....!" صفدر نے بڑے احترام سے مصافحہ کیا۔

وہ بیٹھ گئے۔ کبڑا صفدر کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہا تھا اور لیڈی ہمبگ احمقانہ انداز میں سر ہلا ہلا کر مسکرا رہی تھی۔ کبھی کبھی دانت بھی نکل پڑتے مگر بے آواز....

"آج ہم یہاں مدعو ہیں۔ کیا تم میرے سیکرٹری کے فرائض انجام دو گے؟" کبڑے نے صفدر سے پوچھا۔

"یس یور ایبسرڈنس (Absuredness)۔" صفدر سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

"گڈ....! مگر تم پھر میک اپ میں کیوں نظر آنے لگے ہو؟"

"کیپٹن فیاض اور اس کے آدمی حضور کی نگرانی فرما رہے ہیں اور وہ مجھے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اصل صورت میں سامنے آؤں تو چمڑی ادھیڑ کر رکھ دیں گے۔"

"ویری فائین! مگر یہ کیپٹن فیاض کیا بلا ہے.... میں تو نہیں جانتا۔"

"پولیس سرکار!" صفدر بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

"تمہیں وہم ہو گیا ہے صفی۔" کبڑا مسکرایا۔ "بھلا پولیس کو مجھ سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔ میں تو اپنے وقت کا عظیم ترین اکاؤنٹنٹ ہوں۔ اسی لیے ساری دنیا پر میری بادشاہت ہے۔ آج دیکھ لینا ان لوگوں کو جنہوں نے مجھے یہاں مدعو کیا ہے۔ پولیس بکواس ہے۔ پولیس سے کیا ہوتا ہے .... خواہ مخواہ اتنا بڑا عملہ رکھ کر مفت کی تنخواہیں بانٹی جاتی ہیں۔ قوم کا اتنا سرمایہ یونہی برباد ہوتا ہے۔"

"وہ کیسے یور ایبسرڈنس!"

"سیکرٹری! ہم اس وقت بحث کے موڈ میں نہیں ہیں۔ پھر کبھی اس مسئلے پر مجھ سے کچھ سن لینا۔"

"او کے یور ایڈیوسن کریسی!"

"لیڈی ہمبگ سے کچھ دیر موسمیات پر گفتگو کرو۔ میں ابھی آیا۔" کبڑا اٹھتا ہوا بولا۔

چند لمحے بعد صفدر نے اسے اوپری منزل کے زینے طے کرتے ہوئے دیکھا اور پھر لیڈی ہمبگ کی طرف مڑ کر بولا۔

"ہز ایبسرڈنس واقعی بہت عظیم ہیں۔"

عورت اب بے حد سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ وہ چند لمحے صفدر کو گھورتی رہی پھر بولی۔ "کیا تم میرے شوہر کے متعلق کچھ بتا سکو گے....؟"

"میں نہیں سمجھا.... یور لیڈی شپ!" صفدر نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"وہ کرتا کیا ہے.... کہاں غائب رہتا ہے۔ میں آج ہی ساجد نگر سے آئی ہوں۔ تم نے کبھی رانی ساجد نگر کا نام سنا ہے؟"

"کیا؟" صفدر متحیرانہ انداز میں اچھل پڑا۔

"میں رانی ساجد نگر ہوں۔"

"آپ.... یعنی کہ۔ آپ اور یہ ہمبگ آپ کا شوہر...."

"بدتمیز نہ بنو!" عورت نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اچھا محترمہ! مگر میں آپ کو اپنے باس کے متعلق کیا بتا سکوں گا؟"

"وہ ساجد نگر سے کہاں غائب ہو جاتا ہے؟"

"اوہو تو کیا مستقل طور پر ساجد نگر میں رہتے ہیں؟"

"پھر کہاں رہے گا؟ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"معافی چاہتا ہوں یور ہائی نس....!"

"اوہ.... اچھا خاموش رہو۔ وہ واپس آ رہا ہے۔"

ہمبگ واپسی کے لیے زینے طے کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر اسی میز پر نظر آیا۔

"اب کتنی دیر ہے ڈارلنگ؟" عورت نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "تمہاری پارٹیاں میری سمجھ میں نہیں آتیں...."

"یہ پارٹی میں نے نہیں دی سوئیٹی۔" ہمبگ بولا۔ "ہم مدعو ہیں یہاں۔"

"مگر کتنی دیر انتظار کرنا پڑے گا؟"

"دیکھو سوئیٹی! میں بتاؤں۔!" ہمبگ نے طویل سانس لے کر کہا۔ "قصہ دوسرا ہے اگر تم خفا نہ ہونے کا وعدہ کرو تو بتاؤں۔"

"کیا میں کبھی تم سے خفا بھی ہوئی ہوں۔" عورت کے انداز میں بلا کی محبت پھٹ پڑی تھی۔

"کبھی نہیں! لیکن میں تمہاری خفگی کے تصور سے کانپتا ہی رہتا ہوں۔"

عورت نے بڑے فخریہ انداز میں صفدر کی طرف دیکھا۔ مسکرائی اور ہمبگ سے بولی۔

"بتاؤ نا کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں الجھن میں ہوں۔"

دراصل میں پارٹی میں شرکت نہیں کرنا چاہتا۔ اور پارٹی یہاں ہے بھی نہیں۔ پارٹی تو ڈی لکس میں ہوگی ٹھیک ساڑھے آٹھ پر! تم سیکرٹری کے ساتھ چلی جاؤ۔"

عورت نے برا سامنہ بنایا لیکن کچھ بولی نہیں۔ صفدر ہمبگ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"مجھے توقع ہے کہ تم ہر لیڈی شپ کے وقار کا خیال رکھو گے!"

"دل و جان سے یور ایڈ سنکریسی!" صفدر نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

"تم کیا کہتی ہو ڈارلنگ....؟"

"میں تو تم سے کبھی کسی بات کی وجہ بھی نہیں پوچھتی۔" عورت نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "دیکھو نا میں نے تم سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ پولیس تمہاری نگرانی کیوں کر رہی ہے؟ اور یہ تمہارا سیکرٹری تمہارا مضحکہ کیوں اڑاتا ہے؟"

"ارے وہ پولیس ہاہا۔" وہ ہنس پڑا اور دیر تک باقاعدہ طور پر ہنستا رہا پھر بولا۔ "پولیس والے مجھے ایک پراسرار آدمی سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں اسمگلروں کا شہنشاہ ہوں اور میرا سیکرٹری مردود بھی یہی سمجھتا ہے۔"

"اچھا؟" رانی نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "کیا میں وزیر داخلہ کو فون کروں؟"

"ارررر۔ نہیں ڈارلنگ.... ہرگز نہیں۔ مجھے میری تفریح سے محروم نہ کرو۔ لطف آتا ہے پولیس سے چھیڑ چھاڑ میں۔ کیوں سیکرٹری؟"

صفدر نے بڑے عقیدت مندانہ انداز میں سر کو جنبش دی وہ ابھی تک اس عورت کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ رانی ساجد نگر خاصی مشہور عورت تھی۔ اکثر "کارہائے خیر" کے سلسلے میں اس کا نام اخبارات کی زینت بنتا رہتا تھا۔ لیکن یہ عورت.... اس ہمبگ کی بیوی.... رانی ساجد نگر شاید کوئی

بچہ بھی یقین نہ کر سکے۔ اس نے سوچا.... دیکھا جائے گا۔

اس دوران میں عورت نے کبڑے سے کچھ کہا تھا اور کبڑا ہنس پڑا تھا۔ کیا کہا تھا؟ صفدر نہ سن سکا۔ وہ تو ان دونوں کے متعلق طرح طرح کے خیالات میں الجھا ہوا تھا۔

"اچھی بات ہے۔" کبڑے نے کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "سوا آٹھ بج رہے ہیں اب تم لوگ ڈی لکس کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ سیکرٹری تمہارے ساتھ ہی بیٹھے گا۔"

"کسی کو اعتراض تو نہ ہوگا؟" عورت نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں! میری کسی بات پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوتا۔" کبڑے نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

صفدر الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ کبڑے نے پہلے ہی اسے فون پر ہدایت کر دی تھی کہ وہ آٹھ بجے ڈنر سوٹ میں ملبوس ملے۔ لیکن یہ دعوت....!

"اوہ...." "تم کیا سوچنے لگے۔ کبڑے نے اسے ٹوکا۔ "دیر نہ کرو جاؤ۔"

پھر جب وہ دونوں اٹھے تو صفدر کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی جانب نکل بھاگے کیونکہ یہ عورت تو قد میں خود اس سے بھی کچھ نکلتی ہوئی سی تھی۔

گرینڈ کی کمپاؤنڈ میں ایک لمبی سی شاندار گاڑی ان کی منتظر نظر آئی۔ ڈرائیور باوردی تھا۔ اس نے بڑی شائستگی سے اُن کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا اور پھر گاڑی ڈی لکس کے لیے روانہ ہو گئی۔

رانی ساجد نگر نے صفدر کو اپنے ساتھ پچھلی سیٹ پر بٹھایا تھا۔ وہ خاموش رہا۔ الجھن بڑھتی ہی جا رہی تھی.... اگر یہ سچ مچ رانی ساجد نگر ہی تھی تو پھر کبڑا۔ کبڑے کی شخصیت کا ایک نیا پہلو سامنے آیا تھا۔ رومینٹک اور حیرت انگیز پہلو۔

"کیا تم زیادہ تر خاموش ہی رہتے ہو سیکرٹری؟" رانی ساجد نگر نے خود ہی پہل کی۔

"نن.... نہیں تو.... یور ہائی نس.... میں بڑی الجھن میں ہوں۔"

"کیوں؟"

"میں ہمبگ دی گریٹ کو سنکی اور مسخرہ سمجھتا تھا۔ لیکن وہ تو واقعی گریٹ نکلے۔"

"تم انہیں کب سے جانتے ہو؟"

"زیادہ دنوں سے نہیں۔ لیکن پھر بھی محسوس یہی کرتا ہوں جیسے سالہا سال سے ان کی

ملازمت میں ہوں۔"

"اوہو.... اوہو!" رانی ہنس پڑی۔ "تم میرے رقیب تو نہیں بن جاؤ گے؟"

"میں بہت پریشان بھی ہوں۔ یور لیڈی شپ۔ آخر آپ کو اس کی پرواہ کیوں نہ ہوئی کہ مسٹر ہمبگ پولیس کی نگرانی میں ہیں۔"

"اوہ...." وہ ہنس پڑی۔ "ھمبی بڑا ستم ظریف ہے۔ اس کی یہی چیزیں تو مجھے پاگل بنا دیتی ہیں اور میں اسے پہلے سے بھی زیادہ شدت سے چاہنے لگتی ہوں۔"

"ان کا اصلی نام کیا ہے؟" صفدر نے پوچھا۔

"خدا جانے.... میں ہمبگ دی گریٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی۔"

"اور یہ نام آپ کو مضحکہ خیز بھی نہیں لگتا؟"

"مجھے اس کی ہر چیز سے پیار ہے...." رانی نے محبت آمیز لہجے میں کہا۔ "میرا بلڈاگ۔"

"بلڈاگ....؟"

"ہاں۔ یہ ایک دکھ بھری کہانی ہے' کیا تم نے پہلے کبھی نہیں سنا کہ رانی ساجد نگر ایک بدنصیب عورت ہے۔"

"میں نے کبھی کچھ نہیں سنا محترمہ!"

"میں تمہیں ضرور بتاؤں گی۔ ہمبگ مجھے اپنا ہی جیسا بنانا چاہتا ہے اور میں بن بھی گئی ہوں ورنہ تم جیسے لوگ کانپتے ہوئے میرے سامنے آیا کرتے تھے۔ ہمبگ کہتا ہے کہ وہ کیڑے جو گندگی میں پیدا ہوئے ہوں انہیں گندگی ہی تک محدود رہنا چاہئے۔ اور ایسے کیڑوں میں کوئی بھی ایک دوسرے سے برتر نہیں ہوتا۔"

"لیکن وہ حضرت تو خود کو ساری دنیا سے برتر سمجھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ یقیناً برتر ہے۔ میرا بلڈاگ! نہ وہ عام آدمیوں کی طرح پیدا ہوا تھا اور نہ عام آدمیوں کی طرح مرے گا.... اوہ۔ ختم کرو.... میں تمہیں اپنی کہانی سنانے جا رہی تھی۔ میرا قد مضحکہ خیز ہے.... تم بھی کافی لمبے تڑنگے آدمی ہو.... لیکن قد میں چھوٹے ہو مجھ سے! تمہیں حیرت ہوگی کہ تیرہ سال کی عمر تک میں اس قد کو پہنچ گئی تھی یعنی تیرہ سال کے بعد میری اونچائی میں اضافہ نہیں ہوا۔ میں جانتی تھی کہ ایسے حالات میں پوزیشن کے خواہشمند تو بہتیرے مل

جائیں گے لیکن ایسا آدمی جو مجھ سے محبت کر سکے' شاید کبھی نہ ملتا۔ میں بے ہنگم ہوں۔ آج بھی لوگ مجھے دیکھ کر ہنستے ہیں اس طرح کہ میں ان کی اس حرکت سے بے خبر رہوں۔ تب پھر میں کیا کرتی بتاؤ مجھے ایک ایسی ہستی کی تلاش تھی جو صرف مجھ سے محبت کر سکے.... میری دولت سے نہیں.... کوئی نہ مل سکا۔ سوائے اس بلڈاگ کے جسے میں نے بچپن ہی سے پالا تھا۔ وہ کرتا تھا مجھ سے محبت۔ لیکن میں بے خبر تھی۔ میں نے کبھی اس کے لیے کوئی غیر معمولی جذبہ نہیں محسوس کیا تھا۔ ایک بار شدت سے بیمار پڑی.... بلڈاگ دن رات میرے پلنگ کے قریب جما رہتا۔ جانتے ہو اس نے تین دن تک کچھ نہیں کھایا' اس وقت تک نہیں جب تک کہ میں پلنگ سے اٹھی نہیں تھی۔ تب مجھے محسوس ہوا کہ کوئی میرے لیے بھی پریشان ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ کتا ہی کیوں نہ ہو.... پھر میں اس کے لیے پاگل ہوگئی... ایک پل کے لیے بھی جدائی شاق گذرتی.... لیکن۔!"

رانی ساجد نگر کی آواز بھرا گئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے گریہ بے اختیار پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہو۔

"میرا بلڈاگ.... ایک رات اسے سانپ نے ڈس لیا۔ یقین کرو میں نے اس پر لاکھوں روپے صرف کر دیئے تھے۔ لیکن.... اسے بچا نہ سکی۔ دنیا تاریک ہوگئی میری نظروں میں!"

رانی ساجد نگر ہچکیاں لینے لگی۔ ڈرائیور کی موجودگی کی بھی پرواہ نہیں تھی اسے۔ کچھ دیر تک اسی طرح روتی رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "پھر ہمبگ مل گیا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے اس میں اپنے بلڈاگ کی جھلکیاں نظر آئیں۔ بعض اوقات تو ایسا لگتا جیسے ابھی ہلکی سی 'بف' کے ساتھ میرے پیر چاٹنے لگے گا.... ہمبگ.... سچ کہتی ہوں وہ مجھے اتنا ہی چاہتا ہے جتنا میرا بلڈاگ چاہتا تھا۔ ہمبگ کی محبت بھی بے غرض ہے۔ پانچ سال ہوئے ہماری شادی کو.... لیکن اس نے آج تک میرا ایک پیسہ اپنی ذات پر نہیں صرف کیا.... اوہ.... پیارے ہمبگ کاش میں اس سے پہلے ہی مر جاتی.... کاش....!"

وہ پھر رو پڑی.... صفدر ہکا بکا بیٹھا سب کچھ سن رہا تھا۔ لیکن کیا وہ سچ مچ حقیقت تھی.... وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا تھا۔ ہمبگ دی گریٹ کسی گرم سلاخ کی طرح اس کے ذہن کی گہرائیوں میں اترتا جا رہا تھا۔ ہمبگ دی گریٹ جو رانی ساجد نگر کا چہیتا شوہر تھا۔ ہمبگ دی گریٹ جو شہر میں کباڑیوں کی سی زندگی بسر کرتا تھا۔

ڈی لکس ہوٹل پہنچ کر تو صفدر کی آنکھیں کھل گئیں۔ شہر کے کئی بہت بڑے سرمایہ دار رانی ساجد نگر کی پیشوائی کو موجود تھے۔ انہوں نے ہمبگ کی غیر حاضری پر بے حد افسوس ظاہر کیا۔

پھر طعام کے دوران میں صفدر کو ایک انوکھی اطلاع ملی۔

سیٹھ داور بھائی یاور بھائی رانی ساجد نگر سے کہہ رہا تھا۔ "پرنس نہیں آئے مجھے بے حد افسوس ہے۔ کیا آپ براہ کرم ہماری سفارش کر سکیں گی ان سے؟"

"کیسی سفارش ہم نہیں سمجھے؟" رانی یا لیڈی ہمبگ نے پوچھا۔

"ہم چاہتے ہیں کہ وہ کبھی کبھی ہمارے چیف اکاؤنٹنٹس کو کوچ کر دیا کریں۔"

"ارے تو وہ سچ مچ اس میں بھی دخل رکھتے ہیں۔" رانی نے حیرت سے کہا۔

"بہت زیادہ یور ہائی نس!" دوسرا سرمایہ دار بولا۔ "شاید ان کی ٹکر کا اکاؤنٹنٹ ساری دنیا میں نہ ملے۔"

"بڑی عجیب بات۔" رانی فخریہ انداز میں ہنسی۔ "ہمیں تو یقین نہیں آتا....!"

O

کیپٹن فیاض بڑی الجھن میں تھا۔ اس نے رحمان صاحب کو فون کیا کہ وہ ان سے ملنا چاہتا ہے۔ اجازت مل گئی تھی اور وہ اب اس وقت ان کی لائبریری میں بیٹھا دیر سے ان کے کان چاٹ رہا تھا۔

"مگر تمہارے سر پر چوٹ کیسے آئی تھی؟" رحمان صاحب نے اس کی بینڈیجڈ کھوپڑی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں خود بھی نہیں سمجھ سکتا جناب۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ چوٹ اتفاقیہ نہیں تھی۔ دیدہ دانستہ کسی نے کوئی وزنی چیز میرے سر پر ماری تھی۔!"

رحمان صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے اور فیاض نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کہنے کی بات ابھی تک نہ کہہ سکا ہو۔ دفعتاً بولا۔ "اب ایک حیرت انگیز خبر سنئے۔"

رحمان صاحب کی پیشانی پر سلوٹیں ابھرتی دکھائی دیں.... جیسے یہ انداز تخاطب انہیں گراں گذرا ہو۔ بہر حال وہ بھی اس "حیرت انگیز خبر" کے منتظر نظر آئے۔

"کبڑا.... رانی ساجد نگر کا شوہر ہے۔"

"کیا....؟" رحمان صاحب بے ساختہ اچھل پڑے۔

"یقین فرمائیے جناب! کل میں نے ان دونوں کو ساتھ دیکھا تھا گرینڈ ہوٹل میں کبڑے کی شخصیت ہی بدلی ہوئی نظر آئی تھی۔ وہ ایئر کنڈیشن لنکن میں آئے تھے گاڑی کے نمبر ساجد نگر اسٹیٹ کے تھے۔ ڈرائیور وردی میں تھا اور کبڑا کسی مغربی ملک کا معزول حکمران معلوم ہو رہا تھا۔

"الف لیلیٰ سنا رہے ہو مجھے!" رحمان صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یقین فرمائیے جناب! میں بڑے معزز گواہ پیش کر سکتا ہوں۔ کبڑا گرینڈ سے حیرت انگیز طور پر غائب ہو گیا تھا اور رانی ایک سیکرٹری کے ساتھ ڈی لکس گئی تھی.... اور وہاں داور بھائی' سروجاہت علی.... اور خان بہادر آصف جاہ جیسے لوگوں نے اس کا خیر مقدم کیا تھا اور افسوس ظاہر کیا تھا کہ کبڑے نے انہیں شرف نہ بخشا۔"

"ٹھہرو۔" رحمان صاحب نے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ کسی کے نمبر ڈائیل کیے اور ماؤتھ پیس میں بولے۔ "سروجاہت۔ ہاں۔ کہہ دو رحمان ہے ڈی۔ جی آف انٹیلی جنس۔"

پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولے "ہیلو.... وجاہت میں ہوں۔ رحمان۔ پچھلی رات تم لوگوں نے کسے دعوت دی تھی.... اوہ.... اچھا.... مگر.... کبڑا.... نام بتاؤ اس کا.... کمال ہے.... ہمبگ۔ یہ کیسا نام ہوا خیر.... سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی ہمبگ رانی ساجد نگر کا شوہر کیسے ہو سکتا ہے؟ (ہلکا سا قہقہہ) ہاں.... ہاں.... کیا اکاؤنٹس.... یار کمال ہے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ میں رانی کو پہچانتا نہیں.... بس تم لوگوں کے ساتھ دیکھا تھا حیرت انگیز طور پر لمبی ہے۔ بھئی کیا خیال ہے اس جوڑے کے متعلق؟" رحمان صاحب نے پھر قہقہہ لگایا اور ریسیور رکھ دیا۔

پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر فیاض کی طرف مڑے۔

"تمہارا خیال ٹھیک تھا پھر اب کیا کرو گے۔"

"میری سمجھ میں تو نہیں آیا جناب۔"

رحمان صاحب پھر کسی سوچ میں پڑ گئے.... تھوڑی دیر بعد طویل سانس لے کر کہا۔ "بھئی اب تو ڈاکٹر داور کا مسئلہ درپیش ہے۔ اس کے لیے کیا کیا تم نے؟"

"لیبارٹری مسلح پولیس کی نگرانی میں ہے۔ ڈاکٹر کے نائبوں کو چھٹی دے دی گئی ہے۔ عمارت میں اب کوئی بھی نہیں ہے۔ لیکن پوری عمارت چھان ڈالنے کے باوجود بھی کوئی ایسی چیز

نہیں مل سکی جس سے مجرموں کی شخصیتوں پر روشنی پڑتی.... جو آدمی ہاتھ آیا ہے وہ بھی بے کار ہی ثابت ہوا۔ درمیان کا آدمی ہے جسے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کوئی کام کیوں کرتا ہے اور کام لینے والا کون ہے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ جھوٹا نہیں۔"

"میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں جناب!"

"پٹلو نرودا.... کا کیا رہا؟"

"کئی دنوں سے وہ بھی میرے آدمیوں کو نہیں دکھائی دیا۔"

"کہیں سے کوئی کڑی ملتی نہیں۔" رحمان صاحب تشویش کن انداز میں بولے۔

O

عمران ساجد نگر کی گلیوں کی خاک چھان رہا تھا اور اس کی پرانی دوست اینگلو برمیز لڑکی روشی اسی دن گرینڈ پیلس میں ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ رانی کو ایک لیڈی سیکرٹری کی بھی ضرورت پیش آگئی تھی۔ روشی نے عمران کے مشورے پر اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ خود بھی انٹرویو کے لیے جا پہنچی تھی۔ انٹرویو میں پرنس یعنی ہمبگ بھی موجود تھا۔ غالباً لیڈی سیکرٹری کی ضرورت اسے ہی پیش آئی تھی۔

دونوں کی نظر انتخاب روشی ہی پر پڑی۔ بلیک زیرو نے اس کی اطلاع عمران تک پہنچائی اور عمران نے ایک نعرہ مستانہ بلند کیا۔

اس کے جسم سے چیتھڑے جھول رہے تھے اور ہاتھ میں پانچسو پچپن سگریٹ کا ایک ڈبہ تھا۔ پان اس بری طرح چبائے تھے کہ پیک باچھوں سے ٹپک رہی تھی۔

لیکن اب وہ پاگل کی بجائے "مجذوب" تھا۔ خود اس نے کوشش نہیں کی تھی کہ لوگ اسے مجذوب سمجھیں۔ بس یونہی سمجھا جانے لگا۔ قصہ دراصل یہ تھا کہ وہ بحالت دیوانگی چہرے پر حماقت تو طاری کر نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا کئی دن کے بڑھے ہوئے شیو میں خاصی نورانی صورت نکل آئی تھی۔ وحشت زدہ سی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے تھے۔

جدھر جاتا بھیڑ لگ جاتی۔ رحمان صاحب نے اخبارات میں اس کی تصاویر شائع کرائی تھیں لیکن ان تصاویر سے اندازہ کرنا مشکل تھا کہ وہ "ٹپ ٹاپ نوجوان" یہی مجذوبؒ ہو گا۔ اسی لیے"

پکڑا نہ جا سکا۔ ورنہ رحمان صاحب نے اپنے مخبوط الحواس بیٹے کے فرار کی پبلسٹی بہت زور و شور سے کرائی تھی اور یہ سب کچھ بھی عمران ہی کی ایماء پر ہوا تھا۔ ایک سوچی سمجھی اسکیم تھی۔

عمران خواہ کسی چکر میں رہا ہو لیکن اس "عالم مجذوبیت" میں اسے بڑے عبرت انگیز تجربات ہو رہے تھے اور ان تجربات کا نچوڑ یہ تھا کہ دنیا کی پوری آبادی غالباً اولاد کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتی....

عشق ہو گیا ہے.... دعا فرمائیے کہ کامیابی ہو۔ (شادی اور پھر اس کے بعد.... اولاد)

دعا فرمائیے کہ نوکری مل جائے۔ بال بچے بھوکے مر رہے ہیں۔ (یعنی بال بچے زندہ رہیں)

براہ راست اولاد کی طلب....!

ایک عورت اولاد کے لیے گڑگڑاتی تھی۔

"میاں کتنا کماتا ہے؟" عمران نے پوچھا۔

"ایک سو پچیس روپے۔" جواب ملا۔

"کتنا خرچ کر دیتی ہو....!"

"نہیں پورا پڑتا۔ میاں صاحب۔" عورت گڑگڑائی۔ "دس پانچ ادھار ہی ہو جاتے ہیں۔"

"اولاد کے لیے کہاں سے لاؤ گی؟"

"اجی۔ وہ.... گذر کر لیں گے کسی طرح.... تنگی ترشی سے.... اللہ پورا کرے گا۔"

"ہوں!" عمران نے آنکھیں نکالیں۔ "اچھا۔ جاؤ پہلے تنگی ترشی سے گذر کرنا سیکھ آؤ پھر اولاد بھی دوں گا۔ ڈنکے کی چوٹ پر۔ بھاگو.... حق اللہ....!"

سر شام وہ ایک تکیے میں پڑ رہتا.... دو تین دن تک تو وہاں کے قلندروں نے اس سے پوچھ گچھ نہ کی.... لیکن آج کچھ رات گئے الجھ ہی پڑے.... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اسے وہاں ٹکنے ہی نہ دینا چاہتے ہوں۔ کانے فضلو کی طرف سے تو پہلے بھی غیر مطمئن تھا۔ آج جب اس نے اس کی جیب میں اعشاریہ دو پانچ کے آٹومیٹک پستول کی جھلک دیکھی تھی تو اور زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔

فضلو اور اس کے گرد نظر آنے والی بھیڑ درویشوں کی سی زندگی بسر کرتی تھی۔ دن بھر یہ لوگ پڑے سویا کرتے.... لیکن سورج غروب ہوتے ہی ایسے چاق و چوبند نظر آتے جیسے ان کے لیے نور کا تڑکا ہو۔

سر شام ہی عمران پرانی خانقاہ کے ایک گوشے میں پڑ رہا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ فضلو اور اس کے ساتھی اسے شبہے کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور یہ خانقاہ قلندروں سے زیادہ جرائم پیشہ جگلروں کا مسکن ہے۔ وہ چپ چاپ کان دبائے پڑا رہا اور پھر کچھ دیر بعد خراٹے بھی شروع کر دیئے۔ غالباً یہ خراٹے ہی اس جھگڑے کے لیے بہانہ بن گئے تھے۔

کانے فضلو نے ایک ٹھوکر رسید کی اور دہاڑا۔ "او.... ملنگے دوسروں کو بھی سونا ہے۔"

عمران ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"ابے سوتا ہے کہ سڑک کوٹنے والا انجن چلاتا ہے۔" فضلو کا ایک ساتھی بولا۔

"ہائیں...." عمران نے آنکھیں نکالیں۔ "بھاگو ورنہ یہیں بھسم کر دوں گا۔"

"اچھا ہے....!" فضلو نے ہاتھ گھما ہی دیا! لیکن .... یہ کیا؟ .... اس کے ساتھی متحیر کھڑے رہ گئے کیونکہ فضلو کا ہاتھ تو اس کے ساتھی ہی کے جبڑے پر پڑا تھا اور عمران اس سے صرف تین فٹ کے فاصلے پر نظر آیا۔

فضلو آگ ہو گیا.... شاید اپنے ساتھیوں میں تیس مار خان کہلاتا تھا۔ اس بار اس نے عمران پر چھلانگ لگائی.... لیکن پھر محاورۃً نہیں بلکہ سچ مچ منہ کی کھائی یعنی منہ کے بل نیچے آیا اس کے بعد تو سبھی جھپٹے تھے۔ یلغار ہوئی چاروں طرف سے اور عمران کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔

وہ یہاں بے وجہ تو نہیں رہ پڑا تھا۔ اس وقت جو کچھ بھی ہو رہا تھا عین اس کی توقعات اور خواہش کے مطابق ہو رہا تھا۔ یک بیک اس نے فضلو کو ایک زور دار ہاتھ رسید کر دیا اور فضلو سنبھلنے کی انتہائی کوشش کے باوجود بھی برآمدے کے نیچے جا پڑا.... پھر اٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ یکے بعد دیگرے تین ساتھی خود اسی پر آگرے۔ عمران کے ہاتھ غیر معمولی تیزی دکھا رہے تھے۔

دفعتاً فضلو حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "ہٹو۔ تم لوگ ہٹو سامنے سے۔"

اس نے پستول نکال لیا تھا۔

"ارے ارے استاد!" اس کے ساتھی نے غالباً احتجاج کیا۔

فضلو کی اکلوتی آنکھ سے گویا خون ٹپک رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس نے اپنے ساتھی کی آواز سنی ہی نہ ہو۔ پلک جھپکائے بغیر عمران کو گھورے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھی بوکھلا کر ادھر ادھر ہٹ گئے۔ عمران وحشیانہ انداز میں قہقہے لگا رہا تھا۔

"خاموش....!" اچانک فضلو دہاڑا۔

"استاد.... استاد۔" کئی کانپتی ہوئی آوازیں پھر ابھریں۔ لیکن عمران کے قہقہے تو اب بھی جاری تھے۔

ایک فائر ہوا۔

"ارے.... ارے....!" فضلو کے ساتھی مضطربانہ انداز میں چیخے۔ مگر عمران کا قہقہہ... اس کی گونج تو اب پہلے سے بھی زیادہ تیز تھی۔ پے در پے تین فائر اور ہوئے.... لیکن گولیاں سالخوردہ دیوار ہی میں پیوست ہوئیں۔ عمران سنگ آرٹ کا مظاہرہ کر رہا تھا....

فضلو کے ساتھی بوکھلائے ہوئے انداز میں فضلو ہی پر ٹوٹ پڑے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیں۔ فضلو نے بھی اس کے خلاف جدوجہد نہ کی۔ بہ آسانی پستول اپنے ہاتھ سے نکل جانے دیا۔ اس کے چہرے پر بھی بوکھلاہٹ کے آثار تھے۔

عمران اسی طرح قہقہے لگاتا ہوا دیوار سے جا ٹکا۔ پھر ایسے انداز میں اکڑوں بیٹھ گیا جیسے فرش کھود ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اب وہ خاموش تھا۔ فضلو اور اس کے ساتھی ایک ایک کر کے کھسک گئے۔

عمران گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا رہا۔ دفعتاً بائیں جانب والی کوٹھری کا دروازہ چرچرایا اور دیوار سے لگے ہوئے کیروسین لیمپ کی لو بھڑکنے لگی۔

عمران دروازے کی چرچراہٹ پر چونکا نہیں تھا۔ گھٹنوں سے سر اٹھا کر دیکھا تک نہیں۔ ایک گول مٹول سی چیز آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کوئی آدمی گھٹنوں کے بل چلتا ہوا اس کے قریب آ رہا تھا۔ وہ اس سے تقریباً چار فٹ کے فاصلے پر رکا اور دوزانو بیٹھ گیا۔

یہ ہمبگ دی گریٹ تھا....!

"سرکار...." وہ کسی سانپ کی طرح پھپھکارا۔

عمران نے سر اٹھایا۔ آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔

"کیا ہے؟" اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"شہرت سن کر حاضر ہوا ہوں.... عالی جاہ!"

"ہاہا۔ ایک عالی جاہ... دوسرے عالی جاہ سے مخاطب ہے۔ کیوں؟" عمران کا لہجہ وحشیانہ تھا۔

"مجھے خدمت کا موقع دیجئے۔"

"بکواس بند کرو۔ میں پاگل ہوں.... مجذوب نہیں اس بستی کے لوگ مجھے اور زیادہ پاگل کیے دے رہے ہیں۔ عقل کے اندھو.... میں تمہیں اولادیں کہاں تک دوں آؤٹ آف اسٹاک ہو چکی ہیں۔"

"سرکار.... میں اولاد نہیں چاہتا۔ بلکہ یہ کہنے کو حاضر ہوا ہوں کہ اپنے باپ کا کلیجہ ٹھنڈا رکھیئے.... مجھے رحمان صاحب سے بے حد ہمدردی ہے۔"

"اوہ....!" عمران نے ہونٹ سکوڑے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "یہ نام میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ تم لوگ آخر مجھے میرے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ میں اسپتال واپس نہیں جاؤں گا۔"

"سرکار۔ مجھ سے نہیں چلے گی یہ الٹی سیدھی۔ میں آپ کو پہچان چکا ہوں کئی دن سے حضور کی تصویریں اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں۔"

"ہاہا۔ بہت اچھے۔ میرا خیال ہے کہ عبدل بھائی پھوکٹ بھائی نے بلبل محبت کی پبلسٹی شروع کر دی ہے۔ پکچر ہٹ جائے گی دیکھ لینا مری جان۔ بوکس آفس ہٹ۔ ہاہا.... ڈائریکٹر نادان سے ملو۔ آہا.... ذرا سیدھے تو کھڑے ہو جاؤ.... تم شاید کبڑے ہو۔"

"میں کبڑا ہوں... اور تم اندھے ہو کہ تمہیں اپنے گھر والوں کی پریشانی نہیں دکھائی دیتی۔"

"سنو پیارے!" عمران اسے اس انداز میں گھورتا ہوا بولا جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ "اگر ہنچ بیک آف ناترے ڈیم کا چربہ اردو میں پیش کیا جائے تو تم اس کے لیے بہت مناسب رہو گے.... کیا خیال ہے؟"

"اچھا خیال ہے۔ میں اس پر غور کروں گا.... اٹھو.... چلو میرے ساتھ۔"

"کہاں چلوں!"

"گھبراؤ نہیں! اس اسپتال سے دور لے جاؤں گا جہاں سے تم نکل بھاگے ہو۔"

"گڑ کی جلیبیاں۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"بہت ملیں گی۔ اب اٹھو بھی۔"

برآمدے کے نیچے فضلو اور اس کے ساتھی پھر نظر آئے۔ کبڑے نے فضلو کو آواز دی۔

"سرکار.... حاضر ہوں۔" فضلو قریب آکر گڑگڑایا۔

"درویش کو محل تک پہنچانا ہے۔"

"گڑ کی جلیبیاں....!" عمران کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلانے لگا۔ پھر تیزی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "چلو.... جلدی کرو۔ ورنہ اسٹوڈیو سے کال آجائے گی۔"

فضلو بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن عمران اب اسے اسی طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ اس کے لیے اجنبی ہو۔

"اور پیچھے ہٹو! کم بختو۔" ہمبگ غرایا۔ "جھکو.... تعظیم دو.... درویش کو.... میں تم لوگوں کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔ ابے او فضلو.... خدا نے چاہا تو تیری دوسری آنکھ بھی جاتی رہے گی۔"

"میں غلط سمجھا تھا سرکار!" فضلو ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا۔ "درویش کے بھی پاؤں پڑتا ہوں۔"

وہ سچ مچ عمران کے قدموں پر آرہا۔

O

روشی کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ عمران تک پہنچ سکتی۔ سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔

عمران پر خاصی مار پڑی تھی اور اس نے بہتیرے آدمیوں کو کاٹا بھنبھوڑا تھا۔ ہمبگ اور لیڈی ہمبگ دور کھڑے قہقہے لگا رہے تھے۔ پھر ڈاکٹروں کی ایک فوج کمرے میں داخل ہوئی تھی اور عمران کا طبی معائنہ شروع ہوا تھا۔ طرح طرح کے آلے استعمال کیے گئے تھے۔

اس کے بعد اسے ڈاکٹروں کی رائے بھی معلوم ہو گئی تھی۔ یعنی عمران سو فیصدی پاگل تھا۔ بناوٹ کی گنجائش ہی نہیں تھی.... ہمبگ بے حد مطمئن نظر آنے لگا تھا۔

پھر اسی رات روشی کو صفدر بھی وہیں نظر آیا .... لیڈی ہمبگ کے اصرار پر اس نے اپنا میک اپ ختم کر دیا تھا۔ اسی میک اپ کے سلسلے میں روشی نے ان دونوں کی گفتگو بھی سنی۔

"تم میک اپ میں کیوں رہتے ہو؟" رانی نے پوچھا تھا۔

"میک اپ میں نہ ہوں تو آنریبل ہمبگ بھی دشواریوں میں پڑ جائیں.... کیونکہ میں کوئی نیک نام آدمی نہیں ہوں۔"

"ہمبگ جانتا ہے کہ تم اچھے آدمی نہیں ہو؟"

"قطعی جانتے ہیں یور ہائی نس!"

"کاش مجھے معلوم ہو سکتا کہ میرا ہمبگ کس قسم کا آدمی ہے۔ وہ آج تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔" رانی کا لہجہ دردناک تھا۔

پھر دوسری صبح روشی نے دیکھا کہ ہمبگ اپنے ہاتھوں سے عمران کا شیو بنا رہا ہے۔ اپنی ہی نگرانی میں اس نے اسے غسل بھی دلوایا۔ پھر تین گھنٹے کے اندر ہی اندر محل کے درزیوں نے اس کے لیے لباس تیار کیے۔

ایک بار پھر عمران آدمیت کے جامے میں نظر آیا۔ لیکن ہوش کی باتیں کہاں؟ وہ پھر فلم ڈائریکٹروں کے سے انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔

رانی ساجد نگر نے دوپہر کو روشی کو اپنی خواب گاہ میں طلب کیا۔

"تم دارالحکومت ہی میں رہتی ہو نا؟"

"یس یور ہائی نس۔"

"انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر جنرل رحمان صاحب کو جانتی ہو؟"

"بھلا میں کیا جانوں گی اتنے بڑے آدمیوں کو۔"

"یہ پاگل انہیں کا لڑکا ہے۔"

"اچھا۔" روشی نے متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ دیں۔

"ہاں۔ لیکن ہمبگ نے اچھا نہیں کیا۔ اسے خواہ مخواہ پٹوا ڈالا۔ ہم کہتے ہیں آخر اسے یہاں لانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟"

روشی کچھ نہ بولی۔ رانی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "کیا تم اسے اس کے گھر تک پہنچا دو گی ہمبگ خود ہی لے جانا چاہتا ہے .... لیکن ہم اسے پسند نہیں کرتے۔"

"مم۔ مگر .... یور ہائی نس ...." روشی ہکلائی۔

"کیوں؟"

"مجھے پاگلوں سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ یور ہائی نس۔"

"نہیں۔ وہ خطرناک آدمی نہیں معلوم ہوتا۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن۔ آپ مجھے زندہ نہ پائیں گی۔" روشی کی آواز خوف سے کانپ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہارٹ فیل ہی تو ہو جائے گا۔

پھر بات ٹل ہی گئی تھی کیونکہ رانی کو کسی ضرورت کی بنا پر خواب گاہ سے باہر نکلنا پڑا تھا۔

پھر شام کو ہمبگ اور لیڈی ہمبگ کی گفتگو سننے کا اتفاق ہوا۔ وہ ایک الماری کے پیچھے چھپ گئی تھی ورنہ تخلیہ میں کسی کا گذر کہاں؟

ہمبگ کہہ رہا تھا۔ "یہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔ اب مجھے اس کی پوری ہسٹری معلوم ہوئی ہے اس نے بہت بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ لیکن اس کے متعلق پہلے ہی سے لوگوں کا خیال تھا کہ ایک نہ ایک دن پاگل ضرور ہو جائے گا۔ صحت مندی کے زمانے میں بھی کریک ہی سمجھا جاتا تھا۔"

"مگر تم خود اسے وہاں لے جانے پر کیوں مصر ہو۔ میں اسے پسند نہیں کرتی ڈارلنگ کہ تم لوگوں کی خوشامدیں کرتے پھرو .... تم ساجد نگر کے راجہ ہو ڈیئر سٹ!"

"میں ڈائریکٹر جنرل پر احسان جتانا چاہتا ہوں کیونکہ ایک بار اس نے میرے ساتھ بہت برا برتاؤ کیا تھا۔"

دفعتاً کمرے میں گھنٹی کی آواز گونجی۔ غالباً فون ہی کی گھنٹی تھی۔ روشی نے ہمبگ کی آواز سنی۔

"ہیلو .... کون .... اوہ .... کیا کہا! .... کیا بات ہے .... اچھا ٹھہرو .... ان سے کہو کہ انتظار کریں۔"

پھر شاید اس نے رانی سے کہا تھا۔ "ڈارلنگ .... وہ خود ہی یہاں آ پہنچا۔ شاید اسے اب علم ہوا ہے کہ میں تمہارا شوہر ہوں .... واہ ....!"

کون؟"

"ڈی جی رحمان!"

"ارے وہ یہاں کیسے پہنچا؟"

"تم سے ملنا چاہتا ہے .... ملاقات کے کمرے میں منتظر ہے۔"

"اوہ وہ مجھ سے کیا پوچھے گا۔ میں کہتی ہوں تم نے بہت برا کیا۔ آخر اس پاگل کو یہاں کیوں لائے تھے؟"

"پاگل کی بات نہ ہو گی ڈارلنگ۔" کبڑے نے کہا۔ "وہ دوسرا قصہ تھا۔ تم جانتی ہو نا کہ میں اختلاج قلب کا مریض ہوں۔ جب مجھ پر اس منحوس مرض کے دورے پڑتے ہیں تو میں تنہائی

تلاش کرنے لگتا ہوں۔ شہر میں کئی چھوٹے چھوٹے مکانات کرائے پر لے رکھے ہیں۔ وہیں اختلاج کے ایام تنہا گذارتا ہوں' ایک رات ایک آدمی میرے مکان میں زبردستی گھس آیا۔ بڑا خوفناک آدمی تھا۔ صورت دیکھو تو دہل جاؤ۔ اس کا چہرہ دو حصوں میں تقسیم نظر آتا ہے اس نے مجھے ایک ستون سے باندھ دیا پھر دو سفید فام غیر ملکی نظر آئے۔ انہوں نے کسی قسم کی ایک مشین نکالی اور اس پر کچھ بکواس کرتے رہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ٹرانسمیٹر تھا وہ اسی طرح متواتر کئی راتیں وہاں آئے.... پھر ایک دن دیکھتا کیا ہوں کہ مسٹر رحمان بھی بندھے چلے آرہے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسا کیوں ہوا تھا۔ ان لوگوں نے مسٹر رحمان کی خاصی مرمت کی تھی اور مجھے بھی مارا پیٹا تھا۔ میری تو وہ درگت بنی تھی کہ کیا بتاؤں۔ بیہوش ہو گیا تھا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو چھت سے الٹا لٹکا ہوا تھا اور مسٹر رحمان کے آدمی مجھ پر کوڑے برسا رہے تھے۔"

"بس کرو۔ بس کرو ....." رانی ہانپتی ہوئی بولی۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"پھر مجھے معلوم ہوا کہ مجھے پریشان کرنے والے غیر ملکی جاسوس تھے۔ اور مجھ پر بھی شبہ کیا جا رہا ہے کہ میں بھی ان ہی میں سے ہوں۔ ایسی پٹائی ہوئی تھی میری۔"

"خاموش رہو!" رانی چیخی۔ "یہ رحمان یہاں سے زندہ نہیں جا سکتا۔"

"ہرگز نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں...."

"تم بزدل ہو!"

"پرواہ نہیں۔ میری سات پشتوں میں کبھی کوئی شیر دل نہیں پیدا ہوا۔ رحمان کو انٹرٹین کرو.... نہ صرف انٹرٹین کرو.... بلکہ اس کے لڑکے کو بھی یہیں اس کے حوالے کردو۔ البتہ اگر وہ میرے متعلق کوئی الٹی سیدھی گفتگو کرے تو ضرور گرم ہو جانا... مگر اس حد تک بھی نہیں کہ وہ اپنی توہین محسوس کرے۔"

"میں تو تھپڑ مار دوں گی۔"

"نہیں میری جان! یہ انگریزوں کا زمانہ نہیں! تمہیں قومی حکومت کے ایک معمولی کانسٹیبل سے بھی دبنا پڑے گا۔"

"تم بھی چلو میرے ساتھ...."

"احمق نہ بنو ڈارلنگ! مجھے دیکھ کر وہ چپ سادھ لے گا۔ میری عدم موجودگی ہی میں کھلے گا

اور تم اندازہ کر سکو گی کہ وہ میرے بارے میں کیسے خیالات رکھتا ہے۔ سمجھیں؟"

"اچھی بات ہے.... میں جا رہی ہوں!"

O

رحمان صاحب اپنے دو مسلح باڈی گارڈز سمیت رانی ساجد نگر کے مہمان خانے میں رانی کی آمد کے منتظر تھے۔

دفعتاً ایک باوردی داروغہ نے دروازے میں کھڑے ہو کر ہانک لگائی۔ "ہوشیار! رانی صاحبہ محل سرا سے روانہ ہو چکی ہیں۔"

رحمان صاحب کے باڈی گارڈ نے برا سا منہ بنایا.... اور پھر کچھ دیر بعد لیڈی ہمبگ نے "نزول اجلال" فرمایا۔ رحمان صاحب کے باڈی گارڈز نے فوجی انداز میں سلامی دی اور رحمان صاحب صوفے سے اٹھ گئے۔

"تشریف رکھئے!" بے حد نرم لہجے میں کہا گیا۔ "کیا آپ کو صاحبزادے کی بازیابی کی اطلاع مل چکی ہے؟"

"میں نہیں سمجھا! یور ہائی نس!"

"اوہ تو پھر آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟"

"بس یونہی ملاقات کو جی چاہا تھا۔ مگر لڑکے کے متعلق آپ نے کیا فرمایا تھا؟"

"آپ کے صاحبزادے ہمارے پاس ہیں۔" رانی مسکرائی۔ "ہم نے اخبارات میں تصویر دیکھی تھی اور ہمیں بے حد قلق ہوا تھا۔ ایسا جوان اور یوں برباد ہو جائے۔ ہمیں آپ سے پوری پوری ہمدردی ہے۔"

"میں شکر گزار ہوں یور ہائی نس۔"

"صاحبزادے بھی آ ہی رہے ہوں گے' آپ کی آمد کی اطلاع ملتے ہی ہم نے حکم جاری کیا تھا کہ صاحبزادے کو مہمان خانے میں پہنچایا جائے۔"

"کس زبان سے شکریہ ادا کروں.... یور ہائی نس!"

دوسرے ہی لمحے میں عمران کمرے میں داخل ہوا.... لیکن رحمان صاحب پر نظر پڑتے ہی چیخ ماری.... دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا اور دیوار سے ٹک کر کانپنے لگا۔

رحمان صاحب سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے رانی اٹھ کر عمران کی طرف بڑھی اور نرم لہجے میں اس سے پوچھنے لگی کہ وہ اتنا خائف کیوں ہے۔

"سس سرکار.... بچالیجئے! خدا کے لیے مجھے اس ظالم ڈاکٹر سے بچالیجئے۔ میں اب اس کے اسپتال میں واپس نہیں جانا چاہتا۔ مجھ پر رحم کیجئے۔ یہیں روک لیجئے ورنہ مجھے خودکشی کرنی پڑے گی۔"

"اچھا تم خاموشی سے بیٹھ جاؤ!" رانی نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

عمران بیٹھ تو گیا لیکن وہ اب بھی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے ہوئے تھا۔

"یہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے.... یور ہائی نس...." رحمان صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "گھر کو اسپتال سمجھتا ہے اور مجھے ڈاکٹر!"

"پھر وہی فریب کی باتیں۔" عمران دونوں ہاتھ جھٹک کر چیخا۔ "میں ایسے اسپتال میں نہیں رہنا چاہتا جہاں مجھ پر مار پڑتی ہو۔ میرے پیروں میں زنجیر ڈال دی جاتی ہو۔"

رحمان صاحب اس کی طرف دھیان دیئے بغیر رانی سے بولے۔ "میں دنیا کا بدنصیب ترین آدمی ہوں۔ اسے فی الحال یہاں سے ہٹوادیجئے۔ یور ہائی نس!"

رانی کے حکم پر دو باوردی ملازم عمران کو وہاں سے لے گئے۔ رانی اب بھی سوالیہ انداز میں رحمان صاحب کی طرف دیکھے جارہی تھی۔

"ہوش مندی کے زمانے میں یہ میرے لیے اور زیادہ تکلیف دہ تھا۔ گھر میں کبھی اس کے قدم نہیں جمے۔ کبھی کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کیا۔ بعض پولیس آفیسر اپنے مفاد کے لیے اسے ہمیشہ مجھ سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ بلا کا طباع اور ذہین تھا بہت بڑے بڑے کیسز میں اس نے دارالحکومت کی پولیس کا ہاتھ بٹایا تھا۔ نہ جانے کتنے اسی کی بدولت کہیں کے کہیں پہنچ گئے.... پہلی بار جب میں نے اس کے پاگل ہو جانے کی خبر سنی تو یہی سمجھا کہ اس نے کسی قسم کا مکر پھیلایا ہے.... لیکن پھر جب بہت بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اس کے مرض کی تصدیق کر دی تو میں اسے گھر لے گیا تھا۔ قصہ دراصل یہی ہے کہ اس کے سر پر گہری چوٹ آئی تھی اور یہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ لیکن ہوش میں آنے پر اس نے ہوش مندی کی باتیں نہیں کی تھیں۔"

"ہمارے ڈاکٹروں کی بھی یہی رائے ہے کہ شدید ترین اعصابی اختلال کی وجہ سے ذہنی

توازن برقرار نہیں رہا۔ کیوں کیا برائی ہے اس میں اگر یہ کچھ عرصہ ہمارے ساتھ قیام کرے۔"

"ذرہ نوازی ہے یور ہائی نس.... بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"شکریہ....!" رانی مسکرائی۔

"اجازت ہو تو اب میں اصل معاملے کی طرف آؤں؟"

"ضرور.... ضرور.... ہم دیر سے منتظر ہیں۔"

رحمان صاحب نے جیب سے کیڑے کی تصویر نکالی اور بولے۔ "کیا یور ہائی نس اس آدمی کو پہچانتی ہیں؟"

"کیوں؟" رانی نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ "کیوں نہیں! یہ میرے شوہر ہیں!"

"خدا کی پناہ۔" رحمان صاحب مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملنے لگے۔

"آخر بات کیا ہے....؟"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر وہ اس قسم کی زندگی کیوں بسر کر رہے ہیں۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"دارالحکومت میں یہ حضرت ہمبگ دی گریٹ کے نام سے مشہور ہیں.... سڑکوں پر بچے ان کے پیچھے تالیاں بجاتے پھرتے ہیں۔"

"تو کیا یہ جرم ہے مسٹر رحمان....؟"

"نہیں۔ جرم تو نہیں!" رحمان صاحب اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"لیکن یہ تو سوچئے یور ہائی نس کیا یہ آپ کے شوہر کے شایان شان ہے؟"

"اب ان کی افتاد طبع کو کیا کہا جائے۔"

"پھر ایک موقع پر وہ چند غیر ملکی جاسوسوں کے ساتھ پکڑے گئے تھے۔ بعض آفیسروں نے انہیں پہچانا لیکن مجھے یقین نہ آسکا کہ ان حضرت کا آپ سے بھی کسی قسم کا تعلق ہو گا۔"

"ہم آپ کے بے حد مشکور ہوں گے۔ ڈی۔ جی صاحب اگر آپ ان کے خلاف کسی قسم کا ثبوت مہیا کر سکیں۔"

"دیکھئے یور ہائی نس! میں اس لیے نہیں آیا کہ آپ کو دھمکیوں سے مرعوب کرنے کی کوشش کروں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ آپ انہیں قابو میں رکھئے ورنہ آپ کی اسٹیٹ بدنام ہو جائے گی۔"

"شکریہ مسٹر رحمان! لیکن آپ مجھے مزید تشویش میں مبتلا کر رہے ہیں۔ کیا آپ ثابت کر سکیں گے کہ ان کا تعلق غیر ملکی جاسوسوں سے ہے؟"

"جی نہیں! قطعی نہیں! میرے فرشتے بھی نہ ثابت کر سکیں گے۔"

"پھر آپ نے اس کا حوالہ دیا ہی کیوں....؟"

"کیا میں آپ کو حقیقت سے آگاہ نہ کرتا!"

"ہمیں بے حد صدمہ پہنچا ہے مسٹر رحمان! ہم سن چکے ہیں کہ آپ لوگ کس بری طرح پیش آئے تھے۔"

"کاش مجھے پہلے سے علم ہوتا کہ وہ حضرت کون ہیں۔"

"اچھا تو اب سنیے۔ ہم انہیں ان کی مصروفیات سے باز نہیں رکھ سکتے۔ لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ وہ صرف کسی قسم کا خبط ہے۔ وہ دوسروں کو اچانک متحیر کر دینے کے شائق ہیں۔"

"یہی بات ہوگی یور ہائی نس! تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں اب اجازت دیجیے۔"

"یہ ناممکن ہے مسٹر رحمان۔ دو چار دن تو ہمیں میزبانی کا موقع دیجیے۔'

"ذرہ نوازی کا شکریہ یور ہائی نس! پھر کبھی یہ سعادت حاصل کروں گا۔ آج کل ایک دن کے لیے بھی آفس چھوڑنا محال ہے....!"

"خیر آپ کی مرضی! صاحبزادے تو کچھ دن ہمارے ساتھ رہیں گے۔"

"عزت افزائی کا شکریہ....!"

O

ہمبگ دی گریٹ پہلی بار کھانے کی میز پر دیکھا گیا ورنہ وہ کھانا ہمیشہ تنہا ہی کھاتا تھا.... اپنی خواب گاہ میں یا پھر کبھی کبھی رانی بھی اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ لیکن سرو کرنے کے لئے کوئی ملازم کبھی نہ ہوتا۔ رانی معمولی عورتوں کی طرح اس کی میز پر کھانا لگاتی۔

لیکن آج وہ محل سرا کے ڈائننگ ہال میں کھانا کھا رہے تھے۔ ملازموں نے پہلی بار کبڑے کو کھانا کھاتے دیکھا تھا۔ عمران بھی میز پر موجود تھا رانی بڑے مخلصانہ انداز میں اسے ڈشز پیش کر رہی تھی۔ میز پر صفدر بھی تھا۔ لیکن روشی کو اتنی زیادہ لفٹ نہیں مل سکی تھی کہ وہ بھی ان کے ساتھ نظر آتی۔

دفعتاً ہمبگ نے ہاتھ روک کر باورچی خانہ کے داروغہ سے کہا۔ "کریم کی ماں!"

"جی سرکار...." داروغہ بوکھلا گیا اور رانی مسکرائی۔

"کریم کی ماں!" ہمبگ زور سے میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔ کھانے سے پہلے اس نے ڈھیروں وہسکی چڑھائی تھی۔ لہٰذا داروغہ کیوں نہ بوکھلاتا اکثر نشے کی حالت میں ملازموں کی پٹائی بھی کر دیتا تھا۔

"کریم دے ماں[1] کی بوتل لاؤ۔" رانی نے اس سے کہا۔ "گراہم سے کہو وہ پہنچا دے گا۔"

داروغہ تیزی سے رخصت ہو گیا۔ اور اس کی واپسی تک ہمبگ برگنڈی وائین پیتا رہا۔ کچھ دیر بعد داروغہ نے سبز رنگ کی شراب پیش کی۔

"آؤ ماں.... آؤ!" ہمبگ گلاس پر دونوں ہاتھ نچاتا ہوا بڑبڑایا۔ "تم مجھے تبخیر معدہ سے بچاتی ہو۔ اس لیے میں تمہارا بہت احترام کرتا ہوں۔"

کچھ دیر بعد عمران نے بھی باورچی خانہ کے داروغہ کو للکارا۔

"جی سرکار....!"

"جلیل کے ابا!"

"مم۔ میں۔ سس سرکار....!" داروغہ ہکلایا۔

"سمجھائیے سرکار....!" عمران نے رانی سے کہا۔

"میں.... میں کیا سمجھاؤں۔" رانی ہنس پڑی۔ "جلیل کے ابا۔ واہ کیا بات ہوئی ہے...."

"میں مسلمان ہوں!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ "کریم کی ماں میرے لیے نامحرم ہیں۔ لیکن جلیل کے ابا ضرور چلیں گے۔"

"وضاحت فرمائیے سرکار۔" داروغہ بھی مسکرایا۔

"چورن انار دانہ....!" عمران نے گردن اکڑا کر کہا۔

زوردار قہقہہ پڑا....!

"بھلا اسے پاگل کون کہے گا.. یور ہائی نس!" صفدر نے رانی کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔

"وہ صرف یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ پاگل نہیں!" رانی نے برا سا منہ بنایا۔

---

[1] پودینہ کی شراب فرانس میں عموماً کھانے کے بعد ہاضمہ درست رکھنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

کچھ دیر بعد ہمبگ بالکل ہی ڈاؤن ہو گیا۔ داروغہ سنبھال نہ لیتا تو کرسی کے نیچے ہی نظر آتا.... آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں ہونٹ ہل رہے تھے لیکن آواز ندارد....!

چار نوکروں نے اسے اٹھا کر خواب گاہ تک پہنچایا۔ رانی ساتھ آئی تھی۔ بستر پر لٹا کر اس کا لباس تبدیل کرایا....اور بالکل اسی انداز میں اس پر چادر ڈال کر تین چار تھپکیاں دیں جیسے کوئی اکتائی ہوئی ماں اپنے شریر بچے کو سلانے میں بالآخر کامیاب ہو ہی گئی ہو۔

پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر آئی اور دروازہ بند کر دیا۔

ہمبگ کا جسم تقریباً دس منٹ تک بے حس و حرکت رہا۔ پھر وہ اس طرح اٹھ بیٹھا جیسے یونہی شغل کے طور پر آنکھیں بند کیے پڑا رہا ہو۔ نہ تو آنکھوں میں نشے کے آثار تھے اور نہ چہرے سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔

اٹھ کر کمرہ اندر سے مقفل کیا اور پھر تیزی سے لباس تبدیل کرنے لگا۔ میز کی دراز سے ایک ریوالور نکال کر جیب میں ڈالا.... پھر بائیں جانب والی دیوار کے قریب آ کھڑا ہوا.... یک بیک ہلکی سی آواز ہوئی اور فرش میں تین یا چار مربع فٹ کی خلاء نظر آنے لگی۔

اس نے خلاء میں قدم رکھا اور تہہ خانے کے زینے طے کرتا چلا گیا۔ آہستہ آہستہ فرش کی خلاء بھی پر ہوتی جا رہی تھی۔ یہ ایک زمین دوز موٹر گیراج تھا۔ ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی کار میں بیٹھ کر اس نے قریبی ستون پر کسی قسم کے میکنزم کو حرکت دی۔ ہلکی سی گھڑگھڑاہٹ کے ساتھ سامنے والی دیوار دو حصوں میں تقسیم ہو کر دونوں اطراف میں کھسکتی چلی گئی۔ اب سامنے اتنا کشادہ راستہ موجود تھا جس سے گاڑی بآسانی گذر سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد گاڑی ساجد نگر کے اس ویرانے میں نظر آئی۔ جہاں سے دن کو گذرتے ہوئے بھی ہول آتا تھا۔ بڑا گھنا جنگل تھا۔ لیکن کبڑے نے تو بہرحال اپنے لیے راستہ بنایا تھا۔

یہ راستہ دراصل ایک پتھریلے ٹیلے سے گذرتا تھا ورنہ اس کے علاوہ اور کہیں سے بھی اس جنگل میں داخلہ ممکن ہی نہیں تھا۔ میلوں تک کروندے کی کانٹے دار جھاڑیاں تھیں اسی لیے یہ کروندوں کا جنگل کہلاتا تھا۔

ٹیلا اتنا اونچا بھی نہیں تھا کہ اسے ناقابل گذر کہا جا سکتا۔ اکثر اجنبی شکاری ٹیلے پر پہنچ تو جاتے تھے لیکن اوپر پھر وہی کانٹے دار جھاڑیوں کی مصیبت۔ یہ اور بات ہے کہ اوپر کی جھاڑیاں انسانی

ہاتھوں ہی کی مرہونِ منت رہی ہوں.... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دراڑ میں مٹی بھر کر جھاڑیاں لگائی گئی ہوں ورنہ اس پتھریلے ٹیلے پر سبزے کا گذر کہاں....!

مگر کبڑے کو ان جھاڑیوں سے کیا سروکار.... اس نے تو ٹیلے کے دامن ہی میں راستہ بنایا تھا۔ یہاں پہنچ کر وہ گاڑی سے اترا تھا اور ابھری ہوئی چٹان کے قریب رک کر غالباً پھر کسی میکنزم ہی کو چھیڑا تھا اور چٹان آواز پیدا کیے بغیر اپنی جگہ سے کھسک گئی تھی۔

لیکن پھر جیسے ہی گاڑی اس خلاء میں داخل ہوئی تھی چٹان پھر اصلی حالت پر نظر آنے لگی تھی۔

گاڑی سرنگ ہی میں چھوڑ دی گئی.... اور ہمبگ نیچے اتر کر پیدل چلنے لگا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا اور بائیں ہاتھ میں ٹارچ۔

ٹیلے والی سرنگ سے گذر کر وہ کھلے میں آ گیا....!

O

عمران کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا کہ اسے کب کلوروفارم کے زیر اثر لایا گیا اور کب خواب گاہ سے روانگی ہوئی۔ چار آدمی اسے اٹھائے ہوئے محل سرا سے باہر آئے تھے۔ غالباً ان اطراف کے پہرہ داروں کو بھی خواب آور اشیاء دی گئی تھیں جدھر سے انہیں گذرنا تھا۔ بہرحال عمران کو محل سرا سے نکال لانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

پھر عمران کو ایک ایسے کمرے میں ہوش آیا تھا جس کی دیواریں مٹی کی تھیں۔

"ہائے اب تیسرا اسپتال!" وہ دردناک لہجے میں بڑبڑایا۔ آس پاس کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ سامنے ہی ایک طاقچے میں چھوٹا سا کیروسین لیمپ روشن تھا۔ لیکن اتنے بڑے کمرے کے لیے اس کی روشنی ناکافی تھی۔

"ارے کوئی ہے!" اس نے پھر ہانک لگائی۔

"تم کہاں سے بول رہے ہو؟" آواز آئی تو.... مگر بہت دور کی معلوم ہوتی تھی۔

"کافی ہاؤز سے!" عمران نے چیخ کر جواب دیا۔

"میں پھر کہتا ہوں مجھے رہا کر دو! ورنہ پچھتاؤ گے!" آواز دور ہی کی سہی لیکن لفظ بہ لفظ عمران کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ کچھ قوت بھی صرف کی لیکن کام نہ بنا دروازہ کافی مضبوط تھا....!

اسی عمارت میں ہمبگ دی گریٹ ایک مشین پر جھکا ہوا یہ دونوں آوازیں سن رہا تھا۔

عمران کی آواز۔ "تمہاری آواز بڑی رسیلی ہے! تم میوزک ڈائریکٹر تو نہیں ہو؟"

"او خدا کے بندے اپنی شکل تو دکھاؤ۔ میں نے کئی دن سے کسی آدمی کی شکل نہیں دیکھی۔" دوسری آواز۔

اور پھر وہ دونوں آوازیں گھٹنے لگیں۔ مشین سے گھڑگھڑاہٹ بلند ہو رہی تھی اور ہمبگ کی پیشانی پر سلوٹیں ابھرتی آ رہی تھیں۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے اب وہ خود بھی پاگلوں کی طرح چیخنا شروع کر دے گا۔ مشین کو اسی حال میں چھوڑ کر وہ کمرے سے باہر نکلا۔

کچھ عجیب سی عمارت تھی..... ہر کمرہ کسی بہت بڑے گنبد کا اندرونی حصہ معلوم ہوتا تھا۔ لیکن یہ گنبد بڑے عجیب تھے یعنی کچی مٹی سے بنائے گئے تھے۔

کبڑا ایک کمرے میں داخل ہوا جہاں ایک قوی ہیکل آدمی بڑی پھرتی اور مستعدی سے کسی قسم کی مشینوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ کبڑے کو دیکھ کر وہ خود بھی کسی مشین ہی کی طرح رک گیا۔

"یہ کیا گڑبڑ پھیلا رکھی ہے تم نے؟" کبڑا دہاڑا۔

قوی ہیکل آدمی بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی روح قبض کر لی گئی ہو۔

"بولتا کیوں نہیں؟" کبڑا پیر پٹخ کر بولا۔

"میں یہاں کسی عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"عورت کے بچے.... تو آوازوں میں کیوں گڑبڑ کر رہا تھا۔"

"یہ میرا احتجاج تھا۔" قوی ہیکل آدمی نے کہا۔

دفعتاً ہمبگ نے بندروں کے سے انداز میں چھلانگ لگائی اور اس کے دونوں پیر لمبے آدمی کے منہ پر پڑے۔ وہ چیختا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔ ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا تھا۔

وہ بدقت اٹھ سکا لیکن کھڑے ہونے کی تاب شاید نہیں رکھتا تھا۔

"کیوں؟ اب کیا خیال ہے۔" ہمبگ نے تلخ سی ہنسی کے ساتھ پوچھا۔

"مم.... میں تمہیں مار ڈالوں گا۔" قوی ہیکل آدمی نے جھلا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہمبگ کی ٹھوکر اس کی پیشانی پر پڑی۔ وہ پھر ڈھیر ہو گیا۔

اب وہ فرش پر چت پڑا بے بسی سے ہاتھ پیر پھینک رہا تھا۔ پھر ذرا ہی سی دیر میں بے حس و حرکت ہو گیا۔ غالباً بے ہوش ہو گیا تھا۔ کبڑے نے دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ کے ایک پش سوئچ پر انگلی رکھ دی۔ تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک سہما ہوا سا آدمی اندر داخل ہوا۔

"اسے دیکھو....." ہمبگ نے بے ہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"جج جی ہاں.... دد.... دیکھتا ہوں جناب۔" وہ ہکلایا۔

"یہ عورت کے بغیر یہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ اب کہو تو اسے دوبارہ جنم لینے پر مجبور کر دوں۔"

آنے والا ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا کچھ بولا نہیں۔ اس کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

"اب تم کنٹرول کرو گے.... ان مشینوں کو سمجھے....!"

"ب۔ بہت بہتر جناب....!"

"اسے یہاں سے اٹھوا لے جاؤ.... اصلاح خانے میں رکھو۔ اب یہ کبھی مشینوں کے قریب نہ آنے پائے۔"

"بہت بہتر جناب!"

"دیکھو!" ہمبگ نے مشینوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں چودہ اور پندرہ نمبروں کی آوازیں سننا چاہتا ہوں۔"

اور پھر وہ اس کمرے سے نکل آیا....!

O

دفعتاً عمران کی نظر بائیں جانب والے گول سوراخ پر پڑی جس کا قطر چھ انچ ضرور رہا ہوگا۔ اونچائی فرش سے تقریباً سات فٹ تھی۔ سوراخ کے عقب میں ایک دھندلا سا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

"عمران۔ عمران!" سوراخ سے آواز آئی۔

"غلط سمجھے۔ پروڈیوسر ڈائریکٹر نادان۔" عمران نے ہانک لگائی۔ "لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی ایک آدمی کا شبہ مجھ پر کیوں ہوتا ہے۔ سب مجھے عمران ہی کہہ کر پکارتے ہیں۔ نام برا تو نہیں.... لیکن یہ نام سن کر نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی پوپلا آدمی ککڑیاں چبانے کی کوشش کر رہا ہو۔"

"اوہ بیٹے .... بیٹے!" سوراخ سے آواز آئی۔ "تو تم ابھی تک صحیح الدماغ نہیں ہو سکے۔ مگر پھر یہاں نظر آ رہے ہو۔ تمہیں یہاں کون لایا ہے؟"

"مجھے یاد نہیں۔" عمران نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"اچھا تو پھر .... بتاؤ۔ میں تم تک کیسے پہنچوں۔" سوراخ سے آواز آئی۔

"میں نہیں جانتا تم کون ہو۔" عمران نے حیرت سے کہا۔

"پہچانو بیٹے۔ میں داور ہوں۔ ڈاکٹر داور۔ شمی کا ڈیڈی۔"

"خدا کی پناہ۔ یہ لوگ خواہ مخواہ بے تکلف ہونے کی کوشش کیوں کرتے ہیں۔ میں کیا جانوں تم کس شمی کی بات کر رہے ہو۔"

"یا خدا ہم سب پر رحم کر.... اچھا سنو! وہ دیکھو! تمہارے پیچھے لوہے کی ایک سلاخ پڑی ہوئی ہے۔ اٹھا کر مجھے دے دو۔ میں اس سوراخ کو بڑھاؤں گا۔ شاید اسی طرح تم تک پہنچ سکوں۔ یہ دیواریں مٹی کی ہیں۔"

عمران نے لوہے کی سلاخ اٹھا کر سوراخ کی جانب بڑھا دی۔ ایک ہاتھ نکلا اور سلاخ کو کھینچتا ہوا پھر سوراخ میں غائب ہو گیا۔

O

کبڑا مشین پر جھکا ہوا دونوں کی آوازیں سن رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ کچھ دیر بعد ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کسی ٹھوس چیز پر ضربیں لگائی جا رہی ہوں۔

اس نے قریب رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھایا اور ایک بٹن دبا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔ "ہیلو۔ سکسٹی سکس۔ میں ہوں تمہارا باپ سور کے بچو سوتے رہتے ہو! دیکھو اب وہ کہاں ہے۔ ہاں ہاں.... نہیں دکھائی دیتا۔ لیکن اس وقت اسے دکھائی دینا چاہئے۔ ہوشیار رہو!"

ریسیور رکھ کر وہ پھر مشین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ضربات کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔ ساتھ ہی کوئی ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "پتہ نہیں۔ یہ مردود کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں ہمیں یہاں کیوں لا پھینکا ہے.... عمران کاش تم ہوش مند ہوتے۔ میرے بچے مجھے وہ دن آج بھی یاد آتے ہیں جب تم نے مجھے زیرولینڈ والوں سے بچایا تھا۔"

"او بڑے میاں خدا کے لیے معاف رکھو!" یہ عمران کی آواز تھی۔ "میں بہت پریشان ہوں۔

اس وقت ڈائیلاگ سننے کے موڈ میں نہیں۔ چوبیس گھنٹے پروڈیوسر ڈائریکٹر نہیں بنا رہتا۔"

"تم یہاں آنے سے پہلے کہاں تھے؟" ڈاکٹر داور کی آواز۔

"دوسرے اسپتال.... ارے واہ.... وہ رانی صاحبہ!" عمران نے زوردار قہقہہ لگایا۔ "اس اسپتال کی ایک لیڈی ڈاکٹر صاحبہ "ہرہائی نس" کہلاتی ہیں.... واہ کیا پیارا خطاب ہے۔ اونٹنی جیسی عورت کے لیے "ہرہائی نس" سے بہتر خطاب کوئی دوسرا نہ ہوگا۔ اف فوہ کتنی لمبی تھی! ہرہائی نس.... ہاہا.... اور شوہر ڈھائی بالشت کا.... ہائے کاش یہ جوڑا مجھ سے کوآپریٹ کرے.... وہ فلم پیش کروں کہ جاپانیوں کو بھی پسینہ آ جائے اور فلم کا نام رکھوں "ڈیڑھ متوالے"... ہاہا....!"

"وہاں سے یہاں تک کیسے لائے گئے تھے؟"

"یار مت بھیجا چاٹو۔" عمران کی آواز۔ "بال کی کھال کھینچتے ہو۔ میں نہیں جانتا کہ یہاں تک کیسے پہنچا ہوں۔ ممکن ہے یہ خواب ہی ہو۔"

یک بیک بائیں جانب والی دیوار پر ایک سوئچ بورڈ کا ننھا سا سرخ بلب روشن ہو گیا....!

کبڑا اس پر نظر پڑتے ہی اس طرح اچھلا تھا جیسے کسی نے کاٹ کھایا ہو۔ پھر وہ تیزی سے مشین پر جھکا اور اس کا سوئچ آف کر کے دوسرا آن کر دیا۔

مشین سے قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ عمران اور داور کی آوازیں غائب ہو چکی تھیں۔

قدموں کی آوازیں تھم گئیں۔ پھر ایک آواز آئی جیسے کوئی دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلا ہو۔

"کیوں؟" ایک آواز آئی۔ "یہاں کیوں آئے؟"

"صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔" دوسری بھرائی ہوئی سی آواز۔

"کیوں۔ کیا ہوا....؟"

"طاہر بے ہوش پڑا ہے۔ اس ظالم نے بڑی بے دردی سے اس کے سر پر ٹھوکریں ماری ہیں۔"

"شش! خاموش رہو۔ اس کے خلاف کہی جانے والی باتیں اس تک ضرور پہنچ جاتی ہیں۔"

"پہنچ جائیں مجھے پرواہ نہیں....!"

"بچے نہ بنو!"

"چار سال سے ہم نے آسمان نہیں دیکھا۔ ہم یہاں اپنی خوشی سے تو نہیں آئے تھے۔ راہ چلتے پکڑے گئے تھے۔ اس قید تنہائی سے موت بہتر ہے۔ طاہر نے اس سے کہا تھا کہ وہ عورت کے

بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"بغاوت! وہ یہاں تنہا ہی ہوتا ہے۔ ہم دس ہیں۔"

"شاید وہ اس وقت بھی یہیں موجود ہے۔ لیکن کیا تم اسے تلاش کر سکو گے۔ آج تک کوئی بھی نہیں معلوم کر سکا کہ وہ کہاں بیٹھتا ہے۔"

"اگر ہم کوشش کریں تو سب کچھ ہو سکتا ہے.... کیا بڑی بات ہے آؤ ابھی سے اس جگہ کی تلاش شروع کر دیں' جہاں وہ آکر بیٹھتا ہے۔"

"میں پھر کہتا ہوں کہ حدود سے آگے نہ بڑھو!"

"اوہ.... تو تم ہمارا ساتھ نہیں دو گے۔"

"نہیں.... لیکن ہمارے سے کیا مراد ہے کیا تمہارے علاوہ کسی اور کے ذہن میں بھی کیڑے کلبلائے ہیں....!"

"طاہر اب بھی بے ہوش ہے۔ تم غداری پر آمادہ ہو لیکن آٹھ آدمی بری طرح جھلس رہے ہیں۔ اگر تم نے.... ساتھ نہ دیا تو...."

"ٹھہرو۔ مجھے سوچنے دو!"

"نہیں اسے بھی مار ڈالو۔" کئی آوازیں۔

پھر مشین سے دھینگا مشتی اور شور کی آوازیں آتی رہیں۔

"ارے.... ارے ٹھہرو.... سنو! او.... مرا.... مرا.... اوہ.... دیکھو.... بب بچاؤ۔ بچاؤ خ.... خیں.... خیں.... خرر.... خٹ!"

بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے مخالفت کرنے والے کا گلا گھونٹ دیا گیا ہو۔

کبڑے نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

مشین سے پھر آواز آئی۔ "چلو اب اسے تلاش کریں.... دیبو سے کہو وہ کنٹرول روم میں موجود رہے۔ کیونکہ وہ خبیث اپنے اڈے سے چودہ اور پندرہ نمبر کے قیدیوں کی گفتگو سن رہا ہے۔ کہیں اسے شبہ نہ ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے.... میں دیبو کو سمجھانے جا رہا ہوں۔"

آوازیں ختم ہو گئیں۔ کبڑے کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ لرز رہی تھی....!

O

اس عمارت کے دس باشندوں نے یہاں آنے کے بعد سے آج تک آسمان نہیں دیکھا تھا۔ چار سال گذرے وہ ایک ایک کر کے یہاں لائے گئے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر اعلیٰ درجہ کے انجینئر تھے۔ ان کا کام تھا پیغام رسانی۔ کسی نامعلوم جگہ سے آئے ہوئے پیغامات ہمبگ تک پہنچاتے تھے اور ہمبگ کے پیغامات ایک مخصوص فری کوئینسی پر کسی دوسرے کے لیے نشر کرتے تھے۔

ہمبگ سے بری طرح خائف تھے۔ اس کی شکل دیکھتے ہی ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور یہ حقیقت تھی کہ انہوں نے کبھی اس عمارت میں وہ جگہ تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی جہاں بیٹھ کر کبڑا ان پر حکومت کرتا تھا۔

لیکن آج.... وہ بری طرح جھلائے ہوئے تھے۔ ان پر خون سوار تھا۔ آٹھ آدمی۔ اگر کبڑا ہاتھ لگ جاتا تو وہ اس کی بوٹیاں دانتوں سے نوچتے۔ اسے گھسیٹ گھسیٹ کر مارتے اس وقت تک گھسیٹتے پھرتے جب تک کہ اس کا دم ہی نہ نکل جاتا۔

وہ ایک ایک دیوار ٹھونکتے بجاتے پھر رہے تھے کہ شاید کہیں کسی ایسے چور دروازے کا میکنزم ہاتھ لگ ہی جائے جس سے گذر کر وہ اس خبیث تک پہنچ سکیں۔

دفعتاً انہوں نے گھر گھراہٹ سی سنی۔ اور اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جہاں تھے وہیں رکنا پڑا یہ ایک علامت تھی۔ کبڑا جب کوئی اعلان کرنا چاہتا تھا تو پوری عمارت اسی قسم کی آواز سے گونج اٹھتی تھی۔

"دوستو!" کچھ دیر بعد آواز آئی۔ "مجھے افسوس ہے کہ طاہر کو تھوڑی سی سزا دینی پڑی۔ میں نے تمہیں اکثر سمجھایا ہے کہ میری آواز پر اپنی آواز بلند کرنے کی کوشش نہ کیا کرو۔ لیکن اکثر تم میں سے کوئی نہ کوئی بہک ہی جاتا ہے۔ تمہاری مشکلات کے دن ختم ہونے والے ہیں چھ ماہ کی ٹریننگ اور باقی ہے۔ اس کے بعد تم ایک ترقی یافتہ ترین ملک کے شہری ہو گے۔ تمہیں بڑے بڑے عہدے ملیں گے۔ رہنے کے لیے شاندار کوٹھیاں ہوں گی اور خرچ کرنے کے لیے بیشمار دولت۔ میں نے سوچا ہے کہ اب ہم لوگ کبھی کبھی ایک ساتھ ہی رہا کریں۔ مطلب یہ کہ تم لوگ تو مل جل کر رہتے ہی ہو میں بھی کم از کم ہفتے میں ایک ہی بار تم لوگوں میں مل بیٹھا کروں۔ لہٰذا آج

ہماری پہلی میٹنگ ہو گی۔ تم سب کمرہ نمبر تین میں میرا انتظار کرو۔"

سناٹا چھا گیا۔ پھر کبڑے کی آواز نہ سنائی دی۔

وہ سب ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے کچھ دیر بعد لیڈر نے کہا۔ "چلو! اس سے بہتر موقع شاید پھر کبھی ہاتھ نہ آئے۔ وہ غالباً نمبر تین کے آس پاس کہیں بیٹھتا ہو گا۔ ممکن ہے ہمارے پہنچنے تک وہ وہیں ملے۔ ہاں دیکھو ٹھہرو! فوراً ہی حملہ نہ کر بیٹھنا بہت چالاک ہے۔ اگر اسے ریوالور نکال لینے کا موقع مل گیا تو.... ایک بھی زندہ نہ بچے گا میں اسے باتوں میں الجھاؤں گا پھر جیسے ہی داہنا ہاتھ اپنے سر پر رکھوں تم لوگ ٹوٹ پڑنا۔"

وہ کمرہ نمبر تین کے سامنے آئے۔ اس میں دروازے کی بجائے صرف ایک کھلا ہوا دریچہ تھا اور تین اطراف میں چھوٹے چھوٹے روشن دان بھی تھے۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہو چکے.... دریچے کے اوپر سے لوہے کی ایک موٹی سی چادر فرش تک سرک آئی۔ وہ بوکھلا کر مڑے۔

ہمبگ کا کان پھاڑ دینے والا قہقہہ کمرے میں گونج رہا تھا۔ وہ دریچے پر چھا جانے والی چادر پر ٹکریں مارنے لگے۔ لیکن بے سود.... اس نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

پھر کبڑے کی آواز سنائی دی۔ "احمقو۔ اندھو۔ یہاں ایک ایسا مشینی نظام بھی موجود ہے جسے صرف میں کنٹرول کرتا ہوں.... ہاں.... رانگے اب تم مجھے باتوں میں الجھاؤ تاکہ یہ ساتوں گدھے موقع پا کر حملہ کر سکیں۔ رکھو داہنا ہاتھ سر پر.... اور میری خواہش ہے کہ بایاں ہاتھ کمر پر رکھ لو۔ شروع ہو جاؤ شاباش...."

یک بیک وہ سب چیخنے لگے کیونکہ گیند نما کمرے کا فرش بڑی تیزی سے نیچے دھنس گیا تھا۔ انہیں اتنا موقع بھی نہ مل سکا کہ روشندانوں ہی کو پکڑ کر لٹک جاتے۔

کبڑے کے قہقہے وہ برابر سن رہے تھے.... اور خود بھی حلق پھاڑ رہے تھے۔ کوئی گڑگڑا رہا تھا کوئی معافی مانگ رہا تھا اور کوئی بے تحاشا گالیاں دے رہا تھا۔

فرش دھنستا رہا۔ لحظہ بہ لحظہ ان کا خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ کیونکہ کمرے کا قطر بتدریج بڑھ رہا تھا۔ فرش اور دیواروں کے درمیان ایک بڑی سی ہلالی خلاء تشکیل پا رہی تھی۔

پھر دفعتاً فرش خلاء کی طرف جھکتا چلا گیا۔ گھٹی گھٹی سی چیخیں گونجیں.... اور پانی میں گرنے کے چھپاکے.... تیزی سے بہنے والے زمین دوز چشمے نے ذرا ہی سی دیر میں ان کے چیتھڑے اڑا

دیئے ہوں گے۔

O

سوراخ اتنا بڑا ہو چکا تھا کہ ڈاکٹر داور عمران تک پہنچ سکتے.... عمران نے برا سا منہ بنا کر ہاتھ اٹھائے.... اور ڈاکٹر داور کو بہ آسانی نیچے اتار لیا اور پھر بولا۔ "یار بوڑھے ہونے کو آئے مگر کودنے پھاندنے کی عادت نہ گئی.... سلاما لیکم....!"

"وعلیکم السلام!" داور صاحب نے ہانپتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور کچھ جھینپے ہوئے سے نظر آنے لگے۔

"تو تم بھی آ کودے میرے خوابوں میں۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"خدا کے لیے ہوش کی باتیں کرو بیٹے!"

"یار تم کتنے بھیس بدل کر آؤ گے میرے سامنے۔" عمران نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "پروڈیوسر ڈائریکٹر ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ لوگ بھیس بدل کر بیٹا بیٹا کہتے دوڑے آئیں اور مرعوب کریں مجھے اپنی ایکٹنگ سے.... سلاما لیکم....!"

داور صاحب نے شاید پھر وعلیکم السلام کہنے کے لیے ہونٹ کھولے تھے کہ خیال آ گیا اور انہوں نے سختی سے منہ بند کر لیا۔

دفعتاً کمرے میں گھر گھراہٹ سی گونجی اور آواز آئی۔ "ڈاکٹر داور۔ اگر تم نے کل تک زبان نہ کھولی تو وہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہو گا۔ یہ آخری وارننگ ہے۔"

"ارے باپ رے!" عمران بوکھلا کر اچھل پڑا۔ "یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ بھوت.... بھوت.... بچاؤ.... بچاؤ!"

"خاموش رہو!" گرج سنائی دی۔

"خموش تو.... ہوں.... رر.... رر.... رر.... رر...." عمران کانپتا ہوا گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔ داور صاحب خاموش کھڑے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہے تھے۔

"داور.... کیا تم سن نہیں رہے! میری بات کا جواب دو۔"

داور صاحب نے اور زیادہ سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔

"اچھی بات ہے!" پھر آواز آئی۔ "کل اسی وقت ڈاکٹر داور.... اپنی گھڑی اچھی طرح دیکھو!"

میری بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ باعزت زندگی یا کتے کی موت.. کل تک فیصلہ کر لو۔ شب بخیر۔!

داور صاحب کچھ دیر تک سکتے کی سی حالت میں رہے پھر چونک کر عمران کی طرف مڑے جو ایک گوشے میں منہ چھپائے اکڑوں بیٹھا بری طرح کانپ رہا تھا۔

داور صاحب نے اسے بدقت اٹھایا اور وہ دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر کپکپاتی ہوئی آواز میں اذان دینے لگا....!

O

آخری آدمی دیو کنٹرول روم میں کھڑا بری طرح کانپ رہا تھا اور ہمبگ کی آواز کمرے کی محدود فضا میں گونج رہی تھی۔

"تمہارے ساتھی لمبے سفر پر روانہ ہو چکے ہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ میرے ساتھ ہی رہو۔ کیا سمجھے! طاہر غالباً اب بھی بے ہوش ہوگا۔ اس کی تیمارداری کے فرائض بھی تم پر ہی آپڑیں گے۔ خیر.... کسی نہ کسی طرح تم دونوں چھ ماہ گذار ہی دو۔ اس کے بعد تمہیں اپنے وجود پر ہی مشکل سے یقین آئے گا۔ خواب میں بھی ایسی زندگی کا ایک لمحہ کبھی نہ نصیب ہوا ہوگا.... اچھا شب بخیر.... محنتی آدمیوں کی کافی قدر کرتا ہوں۔"

پھر گھنٹی بجی.... جس کا مطلب یہ تھا کہ ہمبگ اس عمارت سے باہر جا چکا ہے۔ دیو نے مشینیں بند کر دیں اور دوڑتا ہوا اس کمرے میں آیا جہاں باغی ساتھیوں نے میٹنگ کی تھی.... مگر وہاں کیا تھا۔

پھر وہ دیوانہ وار چاروں طرف چکراتا پھرا.... قابل گذر حصوں میں بس صرف تین آدمی دکھائی دیئے.... ایک تھا بے ہوش طاہر اور وہ دونوں قیدی جنہیں غالباً کسی اسکیم کے تحت وہاں لایا گیا تھا۔ دیو یا اس کے ساتھی مقصد سے واقف نہیں تھے۔ اس نے طاہر کو ہوش میں لانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ لمبے سفر کا مطلب اس کی سمجھ میں بخوبی آیا تھا۔ اس کے ساتھی.... ہمیشہ کے لیے.... رخصت ہو چکے تھے۔

کچھ دیر تک اس پر ہراس طاری رہا۔ مگر یک بیک جنونیوں کی سی حالت ہو گئی۔ خاموش بیٹھا کبھی دانت پیستا اور کبھی مکا ہلاتا۔

یک بیک اٹھا اور ان کمروں کی طرف چل پڑا جہاں دونوں قیدی رکھے گئے تھے۔ پہلے داور

صاحب ہی کے کمرے میں قدم رکھا تھا وہاں دیوار میں بڑا سا سوراخ دیکھ کر ٹھٹھکا اور پھر خود بھی اسی اسٹول پر نظر آیا جو سوراخ کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ جیسے ہی اس نے سوراخ میں جھانکا دوسری طرف سے آواز آئی۔ "سلاملیکم" اور وہ بوکھلا کر اسٹول سے کود پڑا۔

"ابے سلام کا جواب تو دے دیا کرو!" دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔

دیو چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر دوبارہ اسٹول پر جا چڑھا۔ کچھ دیر بعد وہ بھی انہیں کے قریب نظر آیا۔

"کیا تم لوگ باہر جانا چاہتے ہو؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ لیکن ڈاکٹر داور نے کہا۔ "کیوں.... کیا بات ہے؟"

"میں بھی ایک قیدی ہی ہوں۔ تم یہاں کیوں لائے گئے تھے؟"

"میں نہیں جانتا کہ کوئی مجھ سے کیا چاہتا ہے؟" ڈاکٹر داور بولے۔

"اچھا۔ اچھا! میں سمجھ گیا! تم پر ہی کیا ہے۔ بہتیرے آتے جاتے رہتے ہیں.... دیکھو! اگر تم دونوں میری مدد کرنے پر آمادہ ہو جاؤ تو شاید ہم یہاں سے نکل سکیں۔"

"ضرور۔ ضرور۔" ڈاکٹر داور مضطربانہ انداز میں بولے۔ دیو نے عمران کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور عمران نے احمقانہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔

"اوہ۔ ان کی فکر نہ کرو۔" داور صاحب جلدی سے بولے۔ "سب ٹھیک ہے۔"

وہ انہیں اس کمرے کی طرف لایا جہاں کچھ دیر پہلے اس کے ساتھی غرقاب ہوئے تھے۔ مگر اسے کیا معلوم۔ وہ تو اس وقت انہیں لوگوں کی اسکیم کے مطابق آپریشن روم میں مشینوں سے الجھا ہوا تھا۔

"صرف یہی ایک ایسا کمرہ ہے یہاں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "جہاں پتھر کی دیواریں ہیں۔ فرش بھی پتھر ہی کا ہے۔ ایک بار.... شش....!"

وہ چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کسی قسم کی آواز ڈاکٹر داور نے بھی سنی تھی۔

"اوہ.... طاہر....!" دیو بڑبڑایا۔

انہیں ایک لحیم شحیم آدمی نظر آیا جس کا چہرہ پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

"اوہو۔" دیو اس کی طرف جھپٹا۔ "تم کہاں اٹھ آئے تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"دور رہو۔ مجھ سے دور رہو۔" طاہر دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر دہاڑا.... اور دیو رک گیا۔

طاہر پھر بولا "میں فیصلہ کر چکا ہوں.... اب یہی ہو کر رہے گا۔ سب کچھ خاک میں ملا دوں گا۔ کیا وہ سور کا بچہ ہم سے ہر ایک کے لیے ایک عورت بھی مہیا نہیں کر سکتا مجھے راہ چلتے اٹھایا گیا تھا اور پھر اس مقبرے میں میری آنکھ کھلی تھی.... اسی طرح عورتیں...."

"طاہر۔ طاہر...." دیو مضطربانہ انداز میں بولا۔ "تم سب کچھ خاک میں کیسے ملا دو گے؟"

لیکن طاہر کوئی جواب دیئے بغیر ایک جانب مڑ گیا۔ وہ آپریشن روم کی طرف جا رہا تھا۔ دیو اس کے پیچھے جھپٹا۔ لیکن اب طاہر نے دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

عمران بھی آگے بڑھا لیکن اتنی دیر میں وہ دونوں نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

طاہر آپریشن روم میں پہنچ کر ایک سوئچ بورڈ کے قریب رک گیا۔

"مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس نے کہا اور دیو کا سر چکرا گیا۔ عقل جواب دے رہی تھی۔

"کیا بک رہے ہو....!"

"میں اس مقبرے کو تباہ کرنے جا رہا ہوں.... مختلف جگہوں پر لگے ہوئے ڈائنامائیٹ اس کے پرخچے اڑا دیں گے۔ میں نے ہی اس کا پتہ لگایا تھا۔ کبڑا بہت چالاک ہے اسے ہم پر اعتماد نہیں ہے۔ فرض کرو ہم اس کے خلاف ہو جائیں اور اس کے بتائے ہوئے مخصوص میٹروں کے علاوہ کسی دوسرے میٹر پر پیغامات اڑانا شروع کر دیں تو...."

"ہاں ممکن ہے۔"

"لیکن ہم تباہ ہو جائیں گے۔ جیسے ہی ہم فری کوئنسی یا میٹر بدلیں گے۔ وہ سارے ڈائنامائٹ پھٹ جائیں گے اور ہمارا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے.... ہرگز نہیں!" دیو حلق پھاڑتا ہوا اس کی طرف جھپٹا دونوں لپٹ پڑے.... طاہر اس کی گرفت سے آزاد ہو کر ایک ٹرانسمیٹر کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اور دونوں ہی حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔

O

عمران اور داور مختلف کمروں میں دوڑتے پھر رہے تھے عمران کہہ رہا تھا۔ "وہ پاگل معلوم ہوتا ہے۔ پتہ نہیں کس سلسلے میں دھمکی دی ہو۔ کیا کر گذرے۔"

پھر داور صاحب کو بھی اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ عمران کی اس ہوشمندانہ بات پر دھیان دے سکتے۔ دفعتاً ایک زوردار گھڑگھڑاہٹ سنائی دی اور عمران نے داور صاحب کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے اپنی طرف کھینچا اور دیوار کی جڑ کی طرف گھسیٹتا چلا گیا۔

چھت سے مٹی کا ایک بڑا سا تودہ گرا.... اندھیرا.... گہرا اندھیرا.... دم گھٹ رہا تھا۔ داور صاحب نیچے تھے اور عمران ان پر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ حتی الامکان انہیں بچا سکے۔ ڈھیروں مٹی آس پاس گر رہی تھی لیکن وہ ابھی اس قابل تھے کہ منہ اور ناک پر رومال لگا کر کسی نہ کسی طرح سانس تو لے ہی سکتے تھے۔

ستارے اچھے تھے کہ عمران کو دیوار کی جڑ کی سوجھ گئی تھی۔ ورنہ شاید....!

"ڈاکٹر صاحب!" عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں.... میں زندہ ہوں۔"

"میری یادداشت واپس آگئی ہے اس حادثہ کی وجہ سے.... سلاما لیکم!"

"وو.... وو.... والیکم.... او گدھے.... بے ہودے تم اس وقت بھی سنجیدہ نہیں ہو! یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"ناک اور منہ پر اکہرا رومال جکڑے رہیئے ورنہ دم گھٹ جائے گا....!"

"یونہی ہوں.... مرے خدا اب کیا ہو گا؟"

"میرا خیال ہے کہ.... میں نے ابھی آسمان کی جھلکیاں دیکھی تھیں۔"

"خدا کرے.... سچ ہو!" داور صاحب نے کہا اور کھانسنے لگے۔

"رومال.... رومال...." عمران غرایا۔

O

پو پھٹ رہی تھی اور وہ پتھروں کے ڈھیر پر بیٹھے تھو تھو.... آخ تھو کر رہے تھے۔ داور صاحب کو بڑی دیر سے ابکائیاں آ رہی تھیں اور وہ بھوت تو بن ہی گئے تھے۔ شاید جانور بھی ان کی شکلیں دیکھ کر وحشت زدہ ہو جاتے۔

"یہ شاید کوئی بہت بڑا پتھریلا ٹیلا تھا۔" عمران نے کہا۔ "جسے اندر سے کھوکھلا کر کے وہ سب کچھ بنایا گیا۔ یا ممکن ہے قدرتی طور پر کھوکھلا رہا ہو۔"

"تت۔ تو.... اب تم پاگل نہیں ہو؟"

"پیدائشی ہوں۔ کوئی نئی بات نہیں۔" عمران نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن ابھی کھیل ختم نہیں ہوا۔ میں پاگل ہی رہوں گا اور آپ مردہ تصور کیے جائیں گے مگر قصہ کیا تھا؟"

"میں نے ایک بے آواز مصنوعی سیارہ دریافت کیا تھا۔ اس کی تصویریں لی تھیں۔ مدار معلوم کیا تھا۔ پورے ملک میں وہ سیارہ میری ہی آبزرویٹری سے دیکھا جاسکتا۔ کہیں اور کوئی ایسی طاقتور دوربین موجود نہیں۔ جس چور ملک نے بے آواز سیارہ چھوڑا ہے اس کے ایجنٹوں کو غالباً شبہ ہو گیا تھا کہ میں اسے دیکھ چکا ہوں۔ شاید وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں چاند کے کرّے کی فضا تک تصویریں لینے میں بھی کامیاب ہو چکا ہوں۔ پھر میں نے اس سیارے کی تصویریں کیوں نہ لی ہوں گی جو زمین ہی کے گرد گردش کر رہا تھا۔"

"تصویریں کہاں ہیں اور آپ کا وہ ٹیلیسکوپک کیمرہ کہاں ہے؟" عمران نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"یہی تو وہ لوگ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اگر معلوم کر لیا ہوتا تو.... شاید میں تمہیں زندہ نہ ملتا۔ تمہیں وہ لوگ غالباً اسی لیے یہاں لائے تھے کہ میں تم ہی سے کچھ بتادوں اور وہ چھپ کر سننے میں کامیاب ہو جائیں.... مگر تم بہت عقل مند ہو بیٹے.... اف فوہ کیا حشر ہوتا ہمارا اگر تم مجھے دیکھ کر کھل گئے ہوتے۔ اعتراف کر لیتے کہ تم پاگل نہیں ہو۔"

"میں اب بھی پاگل ہوں۔" عمران پتھر اٹھانے کے لیے جھکا لیکن پھر یک بیک سنجیدہ نظر آنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "آپ نے ملٹری انٹیلی جنس کو اطلاع کیوں نہیں دی تھی۔ اگر وہ لوگ پہلے ہی سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہے تھے۔"

"میں اس وقت تک سمجھ نہیں سکا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ آخری واضح وارننگ تو اسی وقت ملی تھی جب میں نے شمی کو فون کیا تھا۔ یہ میرا بالکل نجی فون ہے لیبارٹری سے گھر تک کیبل ڈلوائے تھے اس لیے.... اگر اس کے تار بھی اوپر ہوتے تو یقینی طور پر کاٹ دیے گئے ہوتے.... کیونکہ اس وقت میں نے اس ایک کے علاوہ سارے فون بے کار پائے تھے۔"

"اچھا تو اب اٹھئے...." عمران اٹھتا ہوا بولا۔ "ہمیں اب کہیں چھپنے کی فکر کرنی چاہیے۔"